اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان في أیمان القرآن:ص:۳۱۰)

شمارہ نمبر ۱۱

جلد:۳-شمارہ نمبر:۱۱-ذوالحجہ:۱۴۴۶ھ،جون:۲۰۲۵ء

اس شمارے میں:

- موازنہ جامعہ دارالسلام عمرآباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: کتنی حقیقت، کتنا فسانہ
- ”راہ سلف“ کا معنی ومفہوم: نصوص کی روشنی میں
- ڈاکٹر زبیر صاحب کا علمی مذاکرہ بنام: ”حجیت منہج سلف“ کا جائزہ (قسط دوم)
- امام آجری رحمہ اللہ، کتاب ”الشریعہ“ اور سلفی منہج: تعارف اور تجزیہ (قسط اول)
- تبدیع معین: مفہوم ضوابط اور چند اشکالات (قسط دوم)
- ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط ششم)

اعلان
مجلہ منہج سلف کی پہلی جلد مطبوعہ شکل میں قیمتاً دستیاب ہے۔ اپنا آرڈر بک کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں: +91 84819 66549

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

دوماہی منہج سلف

جلد:۳-شمارہ نمبر:۱۱-ذوالحجہ:۱۴۴۶ھ،جون:۲۰۲۵ء

زیر اشراف: فاروق عبداللہ نراین پوری
ابواحمد کلیم الدین یوسف

مدیر: حافظ علیم الدین یوسف

نائبان: عبداللہ عبدالرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

معاونین: محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے، تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجھک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہو گئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔(مقدمہ حسن البیان:ص:۱۹)۔

فہرست عناوین

اداریہ ۳

موازنہ جامعہ دار السلام عمرآباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: کتنی حقیقت، کتنا فسانہ — فضیلۃ الشیخ ابواحمد کلیم الدین یوسف ۴

”راہ سلف“ کا معنی و مفہوم: نصوص کی روشنی میں — فضیلۃ الشیخ فاروق عبداللہ نراین پوری ۲۶

ڈاکٹر زبیر صاحب کا علمی مذاکرہ بنام: ”حجیت منہج سلف“ کا جائزہ (قسط دوم) — حافظ علیم الدین یوسف ۳۶

امام آجری رحمہ اللہ، کتاب ”الشریعہ“ اور سلفی منہج: تعارف اور تجزیہ (قسط اول) — عبداللہ عبدالرشید مدنی ۴۶

تبدیع معین: مفہوم ضوابط اور چند اشکالات (قسط دوم) — حافظ فیضان عالم ۵۶

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط ششم) — حافظ علیم الدین یوسف ۷۰

اداریہ

مجلہ "منہج سلف"اس بار توقع سے زیادہ تاخیر کا شکار رہا۔ادارہ اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہے۔البتہ **خوش کن خبر یہ ہے کہ سال اول کے تمام مجلے کتابی صورت میں منظر عام پر آچکے ہیں**۔فللہ الحمد والمنہ۔

مجلہ کا بنیادی مقصد سلفی نوجوانوں کو ان فتنوں سے آگاہ کرنا ہے جو ان کے دین وایمان اور عقیدہ ومنہج پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔یہ فتنے کبھی سروریت کے پردے میں اور کبھی اخوانیت کے خول میں رونما ہوتے ہیں۔کبھی اس فتنے کے فروغ کے لئے "تسامح" کا خوبصورت لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو کبھی اعتدال کے نام پر منہج سلف سے "بے اعتدالی" کی راہ اپنائی جاتی ہے۔

لفظوں کے استعمال کا یہ کھیل کوئی نیا نہیں ہے۔اس سے قبل معتزلہ نے "توحید" اور "عدل" جیسے پاکیزہ اور بہترین الفاظ کو اپنے فاسد عقائد کی ترویج کے لئے استعمال کیا تھا لیکن سلف صالحین نے جب اس لفظ کے پس پردہ فاسد عقائد کی بابت جانا تو امت کو اس سے تحذیر کی۔لہذا الفاظ سے کسی شے کی حقیقت نہیں بدلتی۔

الفاظ سے دھوکہ نہ کھائیں، شریعت میں اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے۔لوگوں نے توحید کے لفظ کو شرک جیسے گھناؤنے فعل کے لئے استعمال کیا ہے۔

یاد رکھیں! راہ سلف کو چھوڑ کر وسطیت اور اعتدال کی کوئی راہ نہیں۔

یاد رکھیں! اخوانیت اور سلفیت دو الگ الگ راستے ہیں۔سلفیت کی کڑی صحابہ کرام سے جا کر ملتی ہے جبکہ اخوانیت کا سلسلہ خوارج اور دیگر گمراہ فرقوں سے ملتا ہے۔لہذا متنبہ رہیں۔

ابو احمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

موازنہ جامعہ دار السلام عمر آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: کتنی حقیقت، کتنا فسانہ

بعض حضرات کے ذہنوں میں یہ سوال آسکتا ہے کہ اس مضمون کا مجلہ "منہج سلف" سے کیا ربط ہے؟

وضاحتاً عرض ہے کہ جس طرح افراد اور جماعتیں راہ سلف سے انحراف کا شکار ہوتی ہیں ہوتی ہیں اسی طرح بعض مدارس وجامعات بھی جادہ حق سے بھٹک سکتے ہیں بلکہ ماضی میں بھی اس قسم کے مدارس کی مثالیں موجود رہی ہیں اور حال میں ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جب حق اور باطل کا فرق جاننے کے باوجود کوئی کسی ایسے منہج کا دفاع کرے جو منہج سلف بلکہ سلف کے اجماعی منہج کی تغلیط پر مبنی ہو تو ایسی صورت میں تبیین حق کا فریضہ اوجب الواجبات کے حکم میں ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جب کوئی ادارہ اہل بدعت کے سرکردہ لوگوں کی کتابیں اپنے نصاب تعلیم کا حصہ بنائے تو معاملہ "وسعت قلبی" کا نہیں رہ جاتا بلکہ بدعت اور اہل بدعت کی ترویج اور مبتدعین کی تعظیم کا ہو جاتا ہے، اور جب صورت حال ایسی ہو جائے تو ہر غیور سلفی کو چاہئے کہ ہاتھوں میں قلم اٹھا کر حتی المقدور اس کی تردید کرے۔

ع سچ بولنے کے جرم میں نیزے پہ سر رہا

چند دنوں قبل ایک مضمون پر نظر پڑی، جس میں صاحبِ مضمون نے منہجِ سلف صالحین کی نشر واشاعت میں جامعہ دار السلام عمر آباد کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مساوی قرار دیا۔ اس بابت بطور تمہید چند باتیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں پھر اصل مضمون پر گفتگو کروں گا۔

(۱)

کوئی اپنے مادر علمی کی شان میں غلو کرے یا جفا، یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے، لیکن اسے کسی ایسے عالمی جامعہ سے تشبیہ دے، جس کی اپنی الگ پہچان ہے، بالخصوص منہج سلف صالحین کی نشر واشاعت میں جو کارہائے نمایاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے انجام دیا، دوسری جامعات کے یہاں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا ہے، مذکورہ تشبیہ غیر بلیغ کو پڑھ کر کوئی بھی تردد میں پڑ سکتا ہے کہ کیا واقعی جامعہ دار السلام عمر آباد اور جامعہ اسلامیہ کا منہج یکساں ہے، یا حقیقت اس کے برعکس ہے؟

(۲)

"منہج اعتدال" کی بنیاد کتاب وسنت اور منہج سلف پر قائم ہے، اسے کسی ملک، شہر، جامعہ، گاؤں اور شخصیات کے تعامل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، اعتدال و وسطیت کے دلائل کتاب و سنت میں بے شمار ہیں، اور سلف صالحین نے اسے عملاً

کرکے دکھایاہے۔جامعہ دارالسلام عمرآباد کا منہجِ اعتدال اگر منہجِ سلف صالحین کے موافق ہے،توپھر پوری دنیامل کر بھی اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرے،اس سے جامعہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔

(۳)

شرعاہمیں صرف اور صرف سلفیت کی نشرواشاعت اور فروغ کا حکم ملاہے،دیگر مسالک ومذاہب جواعتقادی اوراصولی طورپر سلفیت کے خلاف ہیں،ان کے باطل عقائد ونظریات اور فاسداصول وضوابط پرپر رد کرنااور لوگوں کوان سے دور رہنے کی تلقین کرناہی شریعت اسلامیہ کا اصل مطلوب ومقصود ہے،کیونکہ سلفیت کے سواجو بھی افکار ونظریات،جماعت واحزاب اور مسالک ومذاہب ہیں،سب باطل پرہیں،صرف سلفیت ہی برحق ہے۔

(۴)

اللہ،اس کے رسول اور کتاب وسنت کو چھوڑکر دنیامیں کوئی شخصیت،ادارہ مقدس نہیں اور نہ تنقید سے مبراہیں،اگر کوئی ادارے پر تنقید کرتاہےاور وہ تنقید حق بجانب نہیں،تواس کا علمی اور اصولی جواب دیں،اور حقائق وبراہین سے اس دعوے کو غلط ثابت کریں،لیکن عموم واطلاق،تشبیہ وتمثیل اور طنزوتعریض کے ذریعہ اپنے موقف کو کمزورنہ کریں۔اوراگرجامعہ پر تنقید کرنے والا،حق بجانب ہے،تواسے متشدد باور کراکر،موضوع سے روگردانی نہ اختیار کریں،بلکہ حق کی حمایت کریں،کیونکہ اصل مقصد،احقاق حق اورابطال باطل ہی ہے۔

(۵)

جواہل سنت سے منسلک ہیں،اور کتاب وسنت کی اشاعت میں لگے ہیں،اور منہجِ سلف صالحین کی بالادستی چاہتے ہیں،اگر ان سے کوئی اعتقادی یامنہجی غلطی سرزد ہوجاتی ہے،توعوام کی خیر خواہی کیلئے،اس غلطی کی تصحیح کی جاے گی،کیونکہ کوئی بھی غلطی سے پاک نہیں اور نہ ہی تنقید سے مبراہے۔اہل حدیثوں کے یہاں تقدیسِ ذات کا کوئی چلن نہیں کہ غلطی دیکھ کر اغماض برت لیاجائے،الحق يعرف بالسنة والكتاب لا بالرجال الذين خلقوا من تراب.

(٦)

کسی اہل سنت کے فرد عام وخاص کی غلطی پر رد کرنا، انہیں اہل سنت کے دائرے سے باہر کرنا نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس رد سے ان کی تبدیع و تفسیق مقصود ہوتی ہے، بلکہ صرف اور صرف منہج سلف صالحین کی وضاحت اور ہر زمان و مکان میں اس منہج کی بالادستی مقصود ہوتی ہے، اس لئے کسی لازمِ قول کی بنیاد پر، کوئی حکم لگانا، غیر علمی رویہ ہے، اہلِ علم علمی ردود کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا نکات بیان کرنے کا ہدف یہ ہے کہ جب اعتراض اور رد علمی کیا جائے تو موضوع کو دوسرا رخ دینے کے بجائے اس اعتراض کا علمی جواب ہی دیا جانا چاہیے۔

قارئین کرام: یہاں ہم حقائق کی روشنی میں جامعہ دارالسلام عمرآباد کے متعلق چند امور پیش کرنا چاہیں گے۔

اولاً: جامعہ دارالسلام عمرآباد کی تاسیس کے مقاصد کیا تھے؟

ایک کتاب "نقوش جامعہ" کے نام سے مطبوع ہے، جس کے مؤلف ڈاکٹر اسلم شاد عمری ہیں، یہ کتاب دراصل جامعہ دارالسلام عمرآباد پر پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے، مؤلف اس کتاب کے صفحہ 43، 44 پر شیخ حفیظ عمری رحمہ اللہ کا ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں جامعہ کی اساس "منہج اعتدال" بتائی گئی ہے، اس طویل اقتباس کا خلاصہ ہم آپ قارئین کی نذر کرتے ہیں: "کاکا محمد عمر رحمہ اللہ نے غزنوی خاندان کے علما سے متاثر ہو کر ایک ایسے جامعہ کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا جہاں صوفی، دیوبندی، شافعی، حنفی اور اہل حدیث تمام مکاتب فکر یکساں طور پر تعلیم حاصل کریں، **جہاں صرف اہل حدیث اساتذہ نہ ہوں بلکہ دیوبندی وصوفی، اہل حدیث اور دیگر مکاتب فکر کے بھی اساتذہ ہوں، چنانچہ 1924 عیسوی میں مدرسہ کی سنگ بنیاد کیلئے ایک "سجادہ نشین صوفی"** کا انتخاب ہوا، مولانا فضل اللہ "حنفی و دیوبندی" جامعہ کے ناظم مقرر ہوئے، اور اہل حدیث عالم مولانا عبد الوہاب آروی رحمہ اللہ شیخ الجامعہ مقرر ہوئے، اور "دونوں مکتبہ فکر (یعنی اہل حدیث و دیوبندی) کے جید اساتذہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کئے گئے"....

اس اقتباس کی روشنی میں ایک عام اور سنجیدہ قاری باآسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جامعہ دارالسلام عمرآباد نے اپنا ایک منہج بنایا تھا جس پر وہ کاربند تھے اور اب تک اسی پر رواں دواں ہیں۔ اسی منہج کو انہوں نے "منہج اعتدال" سے تعبیر کیا ہے، **جس کا**

خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کے "منہج اعتدال" کے مطابق جس طرح ہر مکتبہ فکر کے طلبہ وہاں پڑھیں گے اسی طرح ہر مکتبہ فکر کے اساتذہ کی وہاں تقرری بھی ہوگی، یعنی اہل حدیث اساتذہ کے ساتھ ساتھ (بدعتی اساتذہ) جیسے دیوبندی، صوفی، (جماعت اسلامی) وغیرہ کی بھی باضابطہ تقرری ہوگی جو وہاں کے اہل حدیث، دیوبندی اور دیگر مذاہب و مسالک کے طلبہ کو تعلیم دیں گے، سلفی طالب علم اور بدعتی استاد کے اس سنگم واجتماع کا اور اہل بدعت سے علم حاصل کرنے کا شرعا کیا حکم ہے؟ سلف صالحین اسے کس نظر سے دیکھتے تھے؟ تمام باتیں ذیل کے سطور میں ہم آپ قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

اہل حدیثوں کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ دیوبندی وصوفی اور جماعت اسلامی اپنے باطل عقائد اور گمراہ کن افکار ونظریات کی بناپر بدعتی ہیں، اور اہل بدعت سے علم حاصل کرنا، ان کی ہم نشینی اختیار کرنا، ان سے الفت ومحبت کرنا صحابہ کرام اور سلف صالحین کی نگاہ میں بہت سنگین جرم ہے، جس کی شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے۔

ا-چنانچہ مفضل بن مہلل فرماتے ہیں کہ: لو كان صاحب البدعة إذا جلست إليه يحدثك ببدعته حذرته , وفررت منه , ولكنه يحدثك بأحاديث السنة في بدو مجلسه، ثم يدخل عليك بدعته، فلعلها تلزم قلبك , فمتى تخرج من قلبك.[١]

مفہوم: کسی بھی بدعتی کی مجلس میں بیٹھوگے تو وہ شروع سے ہی اپنی بدعت کو بیان نہیں کرے گا، کیوں کہ اگر وہ بدعت سے ہی مجلس کی شروعات کرے گا تو تم ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤگے، اس لئے وہ مجلس کی ابتدا ان احادیث سے کرتا ہے جو عظمتِ سنت پر دلالت کرتی ہوں، پھر اس کے بعد دورانِ گفتگو اپنی بدعات کو قدرے چالاکی سے پیش کرے گا، اگر وہ بدعت، سنت کے نام پر تمہارے دل میں جگہ بنالے تو پھر کیسے باہر نکلے گی؟

ب-عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں، ان کے پاس علم بھی ہے لیکن وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہمانے سائل سے کہا: ((فإذا لقيت أولئك فأخبرهم أني بريء منهم وأنهم برآء مني))۔[٢] "ان لوگوں سے جب تمہاری ملاقات ہو، تو انہیں بتادینا کہ میں ان سے بَری ہوں، اور وہ مجھ سے بَری ہیں"۔

---

[١] [الابانۃ الکبری(٢/٤٤٤)]۔

[٢] [صحیح مسلم(١/٢٨)]۔

یہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت اور اہل بدعت کے بارے میں سن کر ان سے براءت کا اعلان کردیا، انہیں سمجھانے کی یا ان کے پاس جانے کی کچھ حاجت ہی نہیں سمجھی۔

ج- طلق بن حبیب مرجئ تھے انہوں نے جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی، (پوچھنے کے انداز سے صحابی نے بھانپ لیا کہ یہ بدعتی ہے) چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ نے کہا: ((أحرج عليك إن كنت مسلما لما قمت عني، أو قال: أن تجالسني)). [1]

"میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر تم مسلمان ہو تو میرے پاس سے چلے جاؤ، یا یہ کہا کہ میرے ساتھ نہ بیٹھو۔"۔

صحابی رسول نے ایک بدعتی کو بدعتی سوال کرنے پر بھگادیا، پھر کسی بدعتی کے ہاتھ پر تعلیم حاصل کرنا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے منہج کے مخالف ہے اور ان کے طریقہ سے دوری بھی ہے، اور صحابہ کرام کے راستہ کو چھوڑنا گمراہی ہے، جیسا کہ سورہ نساء کی آیت (١١٦) میں مذکور ہے۔

چنانچہ کسی اہل حدیث کیلئے یہ کیسے روا ہے کہ وہ اہل حدیث طلبہ کیلئے بدعتی اساتذہ کو تلاش کر مقرر کرے؟

د- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو صالح ذکوان السمان سے کہا: ((لا تجالس أهل الأهواء فإن مجالستهم ممرضة القلوب)). [2]

بدعتیوں کی ہم نشینی مت اختیار کرنا، کیونکہ ان کے ساتھ رہنے اور اٹھنے بیٹھنے سے دل بیمار ہو جاتا ہے اور شبہات کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

کسی بدعتی استاذ سے علم حاصل کرنے میں مجالست و مخالطت کا حاصل ہونا، نیز اس استاد سے متاثر ہونا ناگزیر امر ہے۔

---

[1] [(تفسیر الطبری (١/٨٠)]۔

[2] [(الابانۃ الکبری (٢/٤٣٨)]۔

مذکورہ بالا آثار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین،اہل بدعت سے براءت کااعلان کررہے ہیں،ان کی ہم نشینی سے منع کررہے ہیں،ان سے دوری اختیار کرنے اوران کی گفتگو نہ سننے کی تلقین کررہے ہیں۔کسی ایک صحابی سے بھی کہیں ثابت نہیں ہے کہ وہ اہل بدعت کی مجالست اختیار کرتے تھے،یاان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے،یاان کی حق بات کو مانتے تھے اور ان کے باطل کو درگذرکرتے تھے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کااس بات پر اجماع تھا کہ اہل بدعت کے کی مجلس میں شریک ہونا یاان کی گفتگو سننا یاان کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے،کیونکہ مذکورہ صحابہ کرام کی کسی صحابی نے مخالفت نہیں کی ہے،اوراسی کواجماع کہتے ہیں،چنانچہ امام بغوی رحمہ اللہ اس پر اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:((قد مضت الصحابة والتابعون وأتباعهم وعلماء السنة على هذا مجمعين متفقين، على معاداة أهل البدع، ومهاجرتهم)).(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین،تابعین عظام،تبع تابعین اوراہل سنت والجماعۃ کے تمام علماء کااہل بدعت کے تئیں بغض وعداوت اوران سے قطع تعلقی پراتفاق ہے۔

و-عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے صوفیوں کاتذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:ان کی ہم نشینی اختیارنہ کرو،اورنہ ہی اہل کلام کی مجلس میں بیٹھو۔(۲)

ز-امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:((أهل البدع ما ينبغي لأحد أن يجالسهم، ولا يخالطهم، ولا يأنس بهم)).(۳)

ح-امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:((لا يؤخذ العلم عن أربعة...وصاحب بدعة يدعو إلى هواه)).(۴)

چارقسم کے لوگوں سے علم حاصل نہیں کیا جاسکتا،ان میں سے ایک بدعتی ہے۔

---

(۱)[شرح السنۃ(۱/۲۲۷)]۔

(۲)[الابانۃ الکبری(۲/۴۷۲)]۔

(۳)[الابانۃ الکبری(۲/۴۷۵)]۔

(۴)[سیراعلام النبلاء(۸/۶۷)]۔

ط- شیخ بکر بن ابو زید رحمہ اللہ،امام مالک رحمہ اللہ کے اس اثر پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:اے طالب علم ہر ممکن کوشش کرو کہ کسی بدعتی جیسے:رافضی،خارجی،مرجئی،قدری اور قبر پرست سے علم حاصل نہ کرو،کیونکہ تم اس وقت تک صحیح العقیدہ نہیں بن سکتے،اور نہ ہی تمہارا تعلق اللہ رب العالمین سے استوار ہو سکتا ہے،نہ ہی تمہارے اندر درست غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے،اور نہ ہی تم سچے متبع سنت بن سکتے جب تک بدعتی اور اس کی بدعت سے دوری اختیار نہ کر لو۔ (۱)

ی- شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ شیخ بکر بن ابو زید رحمہ اللہ کے قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:بدعتیوں سے علم حاصل کرنے میں دو خرابیاں ہیں:

۱- اغتراره بنفسه، فيحسب أنه على حق.

وہ بدعتی عجبِ نفس میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ وہ حق پر ہے۔

۲-اغترار الناس به.

اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جائیں گے۔ (۲)

ک- شیخ سعد الشثری حفظہ اللہ شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:ہر طالب کو وصیت و نصیحت کی جائے گی کہ وہ کسی بھی بدعتی سے علم حاصل نہ کرے....اور سلف صالحین اہل بدعت کی تحقیر کرنے اور ان سے میل جول نہ رکھنے کو باعث ثواب سمجھتے تھے۔ (۳)

---

(۱)[شرح حلیۃ طالب العلم (ص:۱۶۶)]

(۲)[شرح حلیۃ طالب العلم (ص:۱۳۸)]۔

(۳)[شرح حلیۃ طالب العلم (ص:۱۰۸)]۔

ل- شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: کسی بھی بدعتی سے علم حاصل نہیں کر سکتے گرچہ اس کی بدعت خفیف ہی کیوں نہ ہو جیسے اشاعرہ وغیرہ۔ (١)

م- شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ: اہل بدعت سے علم حاصل کرنے کا کیا حکم ہے؟

شیخ نے جواباً عرض کیا: اہل بدعت وضلالت سے علم حاصل کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرتے ہیں، اپنے شاگردوں کو بین السطور بدعت کی تعلیم دیتے ہیں، بعض سلف کہتے تھے: ((إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم)).

علم شریعت ہی اصل دین ہے، لہذا جس سے تم علم حاصل کر رہے ہو اس کا (صحیح العقیدہ و صحیح المنہج ہونا ضروری ہے)، چنانچہ معلم و مدرس کا سلیم العقیدہ ہونا ضروری ہے... بدعتی علما سے دوری اختیار کرنا، لوگوں کو ان سے بچنے کی تلقین کرنا، ان سے قطع تعلق کرنا، ان پر رد کرنا واجب ہے تاکہ امت مسلمہ ان کے شر سے محفوظ رہے، اہل بدعت و ضلالت سے علم حاصل کرنے والا طالب علم بدعتی افکار و نظریات سے ہی متاثر ہوتا ہے، تربیت کرنے والے مشہور قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ: طالب اپنے مدرسہ سے متاثر ہوتا ہے، اور یہی حقیقت ہے کہ طالب عالم اپنے مدرسہ اور استاذ سے ہی متاثر ہوتا ہے، چنانچہ جب ایک طالب علم کسی بدعتی اور گمراہ استاذ کے پاس علم حاصل کرے گا تو اپنے بدعتی اساتذہ کی بدعت و ضلالت سے لا محالہ متاثر ہو گا گرچہ وہ دعویٰ کرے کہ وہ ان سے متاثر نہیں ہوا۔ (٢)

خلاصہ کلام یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، سلف صالحین اور دیگر محققین اہل علم کے جو اقوال پیش کئے گئے اس کی روشنی میں اہل بدعت سے علم حاصل کرنا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان سے میل جول رکھنا کسی بھی طور پر جائز نہیں، جب بدعتیوں سے علم حاصل کرنا ہی درست نہیں تو پھر پھر بدعتی علما کو اہل حدیث مدرسہ میں بطور استاذ رکھنا اور اس عمل پر "اعتدال" کا دعویٰ کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ کیا اس طریقے کار میں اجماع سلف اور صحابہ کرام کے منہج کی مخالفت نہیں؟

---

(١)[شرح حلیۃ طالب العلم (ص:١٣٧)]۔

(٢)[محاضرہ بعنوان: قواعد في التعامل مع العلماء (١١٢ منٹ سے ١١٥ منٹ تک)]۔

دوسرا اشکال: جامعہ دارالسلام عمر آباد میں، ہر قسم کے منحرفین اور بدعتیوں کی کتابوں کی جانب طالب علموں کی رہنمائی کی جاتی ہیں، ان کی کتابوں کے مطالعہ کیلئے طالب علموں کو مکلف کیا جاتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر اسلم شاد عمری صاحب نے جامعہ دار السلام عمر آباد پر لکھے گئے اپنے مقالہ "نقوش جامعہ" کے صفحہ 110 پر ایک عنوان قائم کیا ہے: "مطالعہ کتب کا نصاب"، اس میں ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا ہے کہ کتب بني طالب علموں کیلئے بہت مفید ہے، لیکن کتابوں کے مطالعہ کے سلسلے میں طالب علموں کی رہنمائی ضروری ہے تاکہ طلبہ انحراف و نقصان سے بچ سکیں، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ: "اس غرض سے جامعہ نے اساتذہ کی نگرانی میں اپنے طلبہ کیلئے ہر جماعت کے لحاظ سے مطالعہ کا ایک نصاب تیار کیا ہے، طلبہ خارجی اوقات میں ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، ان میں بعض منتخب کتابوں کا امتحان بھی ہوتا ہے، کتابوں کی تعیین میں مختلف موضوعات کے تحت "مختلف مکاتب فکر" کے اہل قلم کی نمائندگی کا خیال رکھا گیا ہے..."

آپ قارئین "مختلف مکاتب فکر کے اہل قلم کی نمائندگی کا خیال رکھا گیا ہے" اس جملہ پر ٹھہر کر غور فرمائیں، نیز ذیل میں ان بعض منحرفین مؤلفین کے نام ملاحظہ فرمائیں جن کی کتابیں جامعہ دارالسلام عمر آباد کے طلبہ کیلئے مطالعہ کیلئے منتخب کی جاتی ہیں:

مولانا مودودی، سید قطب، وحید الدین خان، یوسف القرضاوی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اشرف علی تھانوی وغیر ہم جیسے بدعتیوں کے سرغنہ اور رؤساء کی کم و بیش چالیس کتابیں مطالعہ کے نصاب میں داخل ہیں جو سنہ اولی من الاعدادیہ سے لے سنہ اخیرہ من الفضیلہ تک بچوں کے نصاب مطالعہ میں شامل ہیں۔ کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں:

مولانا مودودی کی کتابیں:

1-سنت کی آئینی حیثیت۔

2-سود۔

3-پردہ۔

4-تنقیحات۔

5-معاشیات اسلام۔

6-اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات۔

7-قرآنی سورتوں کا پس منظر۔

سید قطب کی کتابیں:

1-جدید مادی افکار۔

2-قرآن کے فنی محاسن۔

3-جدید جاہلیت۔

4-اسلام اور جدید ذہن کے شبہات۔

یوسف القرضاوي کی کتابیں:

1-فقہ الزکاۃ۔

2-سیکولرازم اور اسلام۔

3-اسلامی بیداری۔

4-اسلام میں غریبی کا علاج۔

5-وقت کی اہمیت۔

وحید الدین خان کی کتابیں:

1-علم جدید کا چیلنج۔

2-پیغمبر انقلاب۔

3-دعوت حق۔

4-سوشلزم۔

5-مارکسزم۔

6-الاسلام۔

7-رازحیات۔

مولاناامین احسن اصلاحی کی کتاب:

1-دعوت دین اوراس کاطریقہ کار۔

مولانااشرف علی تھانوی کی کتاب:

1-اصلاح الرسوم۔

ہم نے صرف انہی منحرفین کے نام پر اکتفا کیا ہے جو بہت مشہور ہیں اور بدعت وضلالت، خارجیت و تحریکیت کے پرچار میں عالم اسلام میں بڑا کردار ادا کیا ہے، ورنہ اس فہرست میں دیوبندی علما بھی بکثرت موجود ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہر کلاس میں تقریبا تیس سے پینتس کتاب نصاب مطالعہ میں داخل ہیں جن میں اہل حدیث وسلفی علما کی تقریبا صرف 5 سے 7 کتابیں ہوں گی باقی کتابیں بدعتیوں اور منحرفین کی ہیں، یعنی تقریبا آٹھ کلاس میں 196 کتابیں شامل ہیں جن میں سے بمشکل 40 سے 50 کتابیں ہی اہل حدیث علمائے کرام کی ہوں گی۔

تعجب خیز امر یہ ہے کہ اس پوری لسٹ میں اعلام سلفیت نواب صدیق حسن خان، علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ اسماعیل سلفی، علامہ عطاءاللہ حنیف بھوجیانی رحمہم اللہ وغیرہم، جیسے اساطین سلفیت کی کتابیں شامل نہیں، جہاں ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی جیسے لوگوں کی کتابیں مطالعہ کے نصاب میں شامل ہیں وہاں متذکرہ بالا علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا نہ ہونا یقینا حیران کن امر ہے!!!

ان باتوں کو ذکر کرنے کی غرض وغایت محض اتنی ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ سلف صالحین کے نزدیک اہل بدعت اور گمراہ کن افکار ونظریات رکھنے والوں کی کتابوں کے مطالعہ کا کیا حکم ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہود ونصاری کی کتابوں کو پڑھنے سے منع کیا ہے، حالاں کہ ان کی کتابوں پر ہمارا اجمالی ایمان ہے، اور یقیناوہ کتابیں وحی الٰہی سے خالی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو پڑھنے سے روکا بلکہ ناراضگی کا اظہار بھی کیا، کیوں کہ اس میں حق کے ساتھ باطل کی بھی آمیزش ہے، اور ہمارے پاس ایسی تعلیمات موجود ہیں جو صرف حق ہے۔

۱- چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کی کتاب کا بعض نسخہ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوگئے اور فرمایا: ((أمتهوكون يا ابن الخطاب؟! والذي نفسي بيده؛ لقد جئتكم بها بيضاء نقيّة، لا تسألوهم عن شيء فيخبروكم بحق فتكذبوا به أو بباطل فتصدقوا به، والذي نفسي بيده؛ لو أنّ موسى عليه السلام كان حياً ما وسعه إلا أن يتّبعني)).(۱)

مفہومِ حدیث: اے عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک تم متردد ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً میں تمہارے پاس بالکل صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، یہود ونصاری سے کچھ نہ پوچھا کرو، ہوسکتا ہے وہ تمہیں حق بتائیں اور تم انہیں جھٹلادو، یا جھوٹ بتائیں تو تم انہیں سچ مان لو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آج موسی علیہ الصلاۃ والسلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی مجھ پر ایمان لانا پڑتا۔

ب- اس حدیث پر تعلیق لگاتے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ((وعمر انتفع بهذا حتى أنه لما فتحت الإسكندرية وجد فيها كتب كثيرة من كتب الروم فكتبوا فيها إلى عمر فأمر بها أن تحرق وقال: حسبنا كتاب الله)).(۲)

---

(۱)[ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، البدایہ والنہایہ (۲/۱۳۳)، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، الإرواء (۶/۳۳۸-۳۴۰)]۔

(۲)[مجموع الفتاوی (۱۷/۴۱)]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت سے عمر رضی اللہ عنہ نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ ان کے دورِ خلافت میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں اہل روم کی بہت سی کتابیں پائی گئیں، عمر رضی اللہ عنہ سے ان کتابوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کتابوں کا کیا کیا جائے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام کتابوں کو جلانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔

ج-ابن القیم رحمہ اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: ((فكيف لو رأى النبي صلى الله عليه وسلم ما صنف بعده من الكتب التي يعارض بها ما في القرآن والسنة؟)).(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانی کتاب تورات کو خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیکھ کر اس قدر غصہ ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کتابوں کو دیکھ کر کس قدر غصہ ہوتے جو آپ کے بعد لکھی گئیں اور وہ کتابیں قرآن وحدیث کی مخالفت سے بھری پڑی ہیں؟

د-مروذی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ: ((استعرت كتابا فيه أشياء رديئة، ترى أن أخرقه أو أحرقه؟ قال: نعم، قال المروذي: قال أبو عبد الله: يضعون البدع في كتبهم، إنما أحذِّر عنها أشد التحذير)).(۲)

ترجمہ: میں نے ایک کتاب عاریتالی ہے، جس میں کچھ شریعت مخالف چیزیں ہیں، کیا میں اس کتاب کو پھاڑ دوں یا جلا دوں؟، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں بالکل اسے جلا دو یا پھاڑ دو، کیوں کہ اہل بدعت اپنی کتابوں میں بدعت داخل کر دیتے ہیں، میں اس قسم کی کتابوں سے سختی سے منع کرتا ہوں۔

ھ- شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ((اہل بدعت کی کتابوں سے دور رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ان کے کتابوں کے مطالعہ کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائے، اور بدعتیوں کے کتابوں کی ترویج واشاعت بھی نہ کی جائے، کیونکہ ان کتابوں میں گمراہی ہوتی ہے اور گمراہی کی جگہوں سے دور رہنا واجب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے

---

(۱)[الطرق الحکمیۃ(۲/۷۱۰)]۔

(۲)[الطرق الحکمیۃ(۲/۷۱۰-۷۱۳)]۔

بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا:((من سمع به فلينأ عنه فوالله إن الرجل ليأتيه وهو يحسب أنه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات))۔ (۱)

مفہومِ حدیث: جو دجال کے آنے کی خبر سنے وہ اس سے دور رہے، اس کے قریب نہ جائے، اللہ کی قسم ایک آدمی اپنے آپ کو مؤمن سمجھے گا اور اس کے پاس مقابلہ کرنے کے لیے جائے گا، لیکن دجال اس کو اپنے شبہات میں ایسا الجھائے گا کہ وہ اسی کا پیروکار بن کر رہ جائے گا۔

اس لئے جن کتابوں میں بدعت وضلالت ہے اس سے دور رہنا چاہیے، کوئی خود کو بڑا داقق سمجھ کر ان کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کرے اور کہے کہ میں تو خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کروں گا، اس کی سادہ لوحی پر افسوس کرنا چاہیے۔

اگر اہل بدعت پر رد کرنے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ان پر رد کرنے کے لیے ان کی کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں، لیکن ان کی کتابوں کو پڑھنے کی اجازت صرف اسی کو ہوگی جو علمی طور پر پختہ ہو اور عقیدہ صحیحہ کا علم رکھتا ہو، اور بدعتیوں پر رد کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، بصورتِ دیگر ان کی کتابوں کو پڑھنا جائز نہیں۔ (۲)

قارئین کرام! آپ امام احمد رحمہ اللہ اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے کلام میں غور فرمائیں، انہوں نے اہل بدعت کی کتاب کو پڑھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، اور ان کی کتابوں کو پڑھنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ عقیدہ صحیحہ میں متمکن وماہر شخص اہل بدعت پر رد کرنے کی غرض سے ان کتابوں کو پڑھ سکتا ہے، رہی بات ان کی کتابوں سے استفادہ کرنے کی تو علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

جامعہ دار السلام عمر آباد میں جن منحرفین اور گمراہوں کی کتابوں کو مطالعہ کے نصاب میں داخل کیا گیا ہے علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

کیا اسے "منہج اعتدال" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) رواہ أبوداود وقال الألباني: وإسنادہ صحيح.

(۲) [تعليق مختصر على لمعۃ الاعتقاد (ص:۱۵۹-۱۶۰)]۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ: کسی بدعتی کی کوئی بات سنتے تو کان میں انگلیاں رکھ لیتے اور فرماتے: میرے لئے اس سے بات کرنا جائز نہیں، وہ میری مجلس سے اٹھ جائے۔[۱]

غور کرنے کا مقام ہے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت جنھوں نے صحابہ کرام کے زیر سایہ تربیت پائی تھی، نیز ان کے علم وفضل کے سب معترف ہیں کیا وہ اس بدعتی کو دندان شکن جواب دے کر خاموش نہیں کر سکتے تھے، آخر اس بدعتی کی بات سننے سے کیوں انکار کیا اور اسے اپنی مجلس سے کیوں بھگادیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے نبی کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہی سیکھا تھا کہ اصل یہی کہ ان بدعتیوں کہ ہم نشینی نہ اختیار کہ جائے، نہ ہی ان سے گفتگو کی جائے، چنانچہ صحابہ کرام کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہوں نے اس بدعتی کی بات سننے اور اس سے گفتگو کرنے سے انکار کردیا...

سطور بالا میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طرز عمل بھی گذر چکا ہے۔

لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے، لوگ اہل بدعت کی بات کو سنتے ہی نہیں بلکہ ان کی کتابوں کا باضابطہ مطالعہ فرماتے ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہیں، ان کے افکار سے اپنے فکری پودے کی آبیاری کرتے ہیں بعد میں چل کر کسی نہ کسی موقع پر ان کے ساتھ ضرور کھڑے ہوتے ہیں جس سے سلفیوں کا موقف بظاہر کمزور نظر آنے لگتا ہے.

تیسرا اشکال: جامعہ دار السلام عمرآباد سے فارغ احباب کو بار بار یہ کہتے سنا ہے کہ: ہمارے مدرسہ کا دروازہ ہر مکتبہ فکر کے لئے کھلا ہے، ہم وسیع القلب ہیں، تنگ نظر بالکل بھی نہیں ہیں، اسی قسم کی باتیں ڈاکٹر اسلم شاد عمری صاحب نے بھی اپنے مقالہ کے صفحہ 46 پر مولانا حافظ محمد یوسف کوکن عمری کے حوالے سے نقل کیا ہے.

جوابا عرض ہے کہ: یہی دعویٰ دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اسلامیہ سنابل اور دیگر بڑے سلفی مدارس کا بھی ہے، اور حقیقت یہی ہے کہ ان مدارس میں بھی بعض دیوبندی اور بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ داخلہ لیتے ہیں۔ اس نقطہ پر تو جامعہ دار السلام عمرآباد والوں کے ساتھ دوسرے سلفی مدارس بھی متفق ہیں لیکن نقطہ افتراق و

---

[۱] [الابانۃ الکبریٰ (۲/۴۷۳)]۔

اختلاف یہ ہے کہ تمام سلفی مدارس اپنے یہاں پڑھنے والے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو صرف اور صرف سلفیت سیکھنے کا پابند بناتے ہیں، کتاب وسنت کی بالادستی سکھاتے ہیں، اس پر آراء رجال کو مقدم کرنا سکھاتے ہیں، تقلید کی غلامی سے آزادی دلواتے ہیں، ایک امام کے بجائے منہج سلف کا کاربند بناتے ہیں۔ لیکن جامعہ دار السلام عمرآباد کا معاملہ بالکلیہ مختلف ہے، چنانچہ مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری (1954) لکھتے ہیں کہ: (جامعہ دارالسلام عمرآباد کے) اساتذہ فقہی اور سیاسی مسلک کے لحاظ سے مختلف الخیال ہیں... طلبہ میں حنفی، اہل حدیث اور شافعی تینوں ہیں، حنفی طلبہ کی تعداد اکثریت میں رہتی ہے، لیکن ان طلبہ میں فقہی تعصب ذرا بھی نہیں ہوتا، ہر ایک شخص دوسرے سے میل ملاپ کے ساتھ رہتا ہے اور اپنے اپنے مسلک پر آزادی کے ساتھ عمل کرتا ہے، کوئی ایک دوسرے کے ساتھ معاندہ رویہ اختیار نہیں کرتا....(۱)

معلوم یہ ہوا کہ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں ہر آدمی اپنے اپنے مسلک پر آزادانہ عمل کر سکتا ہے، جب کہ ہم اہل حدیث تو صرف ایک ہی مسلک جانتے ہیں وہ مسلک سید المرسلین خاتم النبیین کا ہے، ہر کسی کو اسی مسلک کا پابند بنانا ضروری ہے، کیونکہ اتباع سنت کے بنا نجات ممکن ہی نہیں، پھر سنت کے چھوڑنے کو آزادی سے تعبیر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

دیوبندی حضرات صرف نماز میں متعدد سنت رسول ترک کرتے ہیں اور آپ اسے آزادی کا نام دے رہے ہیں؟

اگر اہل حدیث علما اہل حدیثیت کے نام پر یہ آزادی دار السلام عمرآباد مدرسہ کے اندر برداشت کر سکتے ہیں تو پھر یہی آزادی جامعہ سے باہر مسلم معاشرے میں کیوں نہیں؟

فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آمین بالجہر، وضع یدین علی الصدر، آٹھ رکعات تراویح، تین طلاق کا مسئلہ جیسے اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں اس قسم کے اعتدال کی تائید کرنے والے علمائے اہل حدیث کو بالکل خاموش ہونا چاہیے، بلکہ اپنی مساجد بنانے پر زور دینے کے بجائے احناف کی مساجد میں ہی جمعہ و جماعت ادا کرنے پر اکتفا کرنا چاہیے، تاکہ اعتدال، میل جول آپسی محبت جو ادارے کے اندر قائم تھی وہی باہر بھی قائم رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلفی اور اہل حدیث ادارے لوگوں کے درمیان سلفیت واہل حدیثیت کی نشر واشاعت کیلئے کھولے گئے ہیں، یہ مدارس اہل حدیث دعوت کے اسلامی قلعے ہیں جہاں مختلف مسالک و مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے امام، مسلک،

---

(۱)[نقوش جامعہ(ص:۴۶)]۔

افکار وعقائد اور اعمال کو چھوڑ کر صرف اور صرف کتاب اللہ اور سنت رسول پر منہج سلف کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، انہیں اختلاف مسلک کے ساتھ رہنا نہیں سکھایا جاتا بلکہ کتاب وسنت کی بنیاد پر اتحاد مسلک کے ساتھ رہنا سکھایا جاتا ہے، لوگوں کو اپنے اپنے امام کے مطابق رہنا سکھانا اور سنت مخالف، اعمال واقوال کو برداشت کرنے کو اعتدال کا نام دینا عین بے اعتدالی ہے، اصل کمال تو یہ ہے کہ تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو اپنے اپنے امام کے بجائے صرف امام الانبیاء سید المرسلین کے مطابق رہنے کا سلیقہ سکھایا جائے، اور بانگ دہل یہ اعلان کیا جائے کہ آپ کسی بھی مکتبہ فکر کے ہوں ہمارے مدرسہ میں بصد شوق داخلہ لے سکتے ہیں لیکن یاد رہے کہ ہمارے مدرسے میں صرف اور صرف سلفیت ہی سکھائی جائے گی، اپنے اپنے معاشرے میں سب تو اپنے اپنے مسلک پر عمل کرتے ہیں لیکن اس مدرسہ میں سب صرف مسلک رسول ومسلک صحابہ پر ہی عمل کریں گے... اگر ایسا ہوتا تو اسے اعتدال ووسطیت کا نام دیا جاتا...

لیکن مختلف مسالک کے طلبہ کے رہنے کا جو طریقہ کار جامعہ دار السلام میں بتایا گیا وہ تو اسی بات کا غماز ہے کہ سنت کی حفاظت ہو نہ ہو مسلک کی حفاظت ہونی چاہیے۔

اعتدال کا مطلب کیا ہے؟

اعتدال کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہر مسلک کے لوگ اپنے اپنے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اہل حدیث ادارہ میں تعلیم حاصل کریں، یہ اعتدال نہیں بلکہ مولانا مودودی کا بے اعتدال مسلک ہے۔

اصل اعتدال یہ ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے مسلک کو چھوڑ کر کتاب وسنت اور منہج سلف صالحین کی راہ اپنائیں، اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو سنت رسول کی خاطر ترک کرنے کا جذبہ پیدا کریں، صرف کتاب وسنت اور منہج سلف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ وہمت پیدا کریں، کیوں کہ اعتدال صرف اور صرف سلفیت میں اور سلفی ہونے میں ہی ہے، دیوبندی وبریلوی اور جماعت اسلامی کبھی معتدل نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ بدعتی ہیں اور جب آدمی جادہ حق راہ اعتدال سے ہٹتا ہے تبھی بدعت کی پگڈنڈیوں کو اپناتا ہے، اگر یہ جماعتیں معتدل ہوتیں تو اہل حدیث وسلفی ہوتیں، یہ جماعتیں معتدل نہیں ہیں اس لئے وہ بدعتی ہیں، چنانچہ اتحاد بین المسالک کے نام پر جس وسطیت واعتدال کا نعرہ لگایا جا رہا ہے وہ بے اعتدالی کا نعرہ ہے، اس اتحاد سے سنت رسول کا زور کمزور ہوتا ہے، منہج سلف صالحین کی نشر واشاعت کی لو مدھم پڑتی

ہے، اہل بدعت سے ولاء و براء کے بنیادی عقیدہ پر کاری ضرب لگتی ہے، سنت کی غیرت اور بدعت و اہل بدعت سے بغض و عداوت کم ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اعتدال صرف اور صرف کتاب و سنت پر منہج سلف صالحین کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے، اور ہم کسی ایسے شخص یا عمل کو جو کتاب و سنت کے مخالف ہو برداشت نہیں کر سکتے، بلکہ ہم اسے شد و مد کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرنے کی دعوت دیں گے، اور ہر ممکن اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔

یہاں میں صرف دو مثالیں پیش کروں گا، جس سے اعتدال کی حقیقت واضح ہو گی۔

پہلی مثال: شیخ عبداللہ جولم عمری حفظہ اللہ جو جامعہ دارالسلام عمرآباد کے استاذ بھی ہیں اور وہاں کسی بڑے عہدے پر فائز بھی ہیں وہ مولانا مودودی کی جماعت اسلامی کے شریعہ کونسل کے رکن ہیں، انہیں چھوڑ کر شریعہ کونسل کی پوری باڈی تحریکیت و اخوانیت پر مشتمل ہے، آخر کیا سبب ہے کہ شیخ کو فقہ اہل حدیث چھوڑ کر جماعت اسلامی کے شریعہ کونسل کی رکنیت اختیار کرنی پڑی؟

ایک اہل حدیث اس جماعت کے ساتھ تعاون کیسے کر سکتا ہے جس کے مؤسس و بانی مولانا مودودی سے صحابہ کرام محفوظ نہ رہے ہوں، جن کا مقصد زندگی بھر خارجیت و اعتزال کی نشر و اشاعت اور رافضیت کی قربت رہی ہو۔

دوسری مثال: شیخ عبدالعظیم عمری مدنی حفظہ اللہ اہل حدیثوں کے موقر عالم دین ہیں، انہوں باضابطہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کی جانب سے مفتی القتل والدمار، بدعتی اور خارجی یوسف القرضاوی کے متعلق منعقد کی گئی کانفرنس میں شرکت کی، اور قرضاوی پر تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

آخر جامعہ دارالسلام عمرآباد میں پڑھانے والے اہل حدیث علما کیلئے کیا مجبوری ہے کہ وہ اس قسم کے گمراہ کن افکار و نظریات رکھنے والی جماعت و افراد کا ساتھ دے رہے ہیں؟

چونکہ یہ علمائے کرام اہل حدیث طلبہ علم اور عوام کیلئے نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کے تصرفات و تعامل کو جواز کی دلیل سمجھا جاتا ہے، اور اس کا نقصان وہی ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر کے کلام میں گذرا۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے موازنہ کی حقیقت:

قارئین کرام: شیخ ابن باز، شیخ محمد امان الجامی، شیخ محمد الأمین الشنقیطی، شیخ ناصرالدین الألباني، شیخ حماد الانصاری، شیخ ربیع المدخلی، شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ صالح السحیمی، شیخ عبدالرزاق البدر، شیخ سلیمان الرحیلي، شیخ صالح السندي، شیخ محمد بن ھادي المدخلی، شیخ عبدالسلام السحیمي، رحم اللہ المیت منہم وحفظ الأحیاء۔ یہ تمام علما اساطین علم اور سلفیت کے روح رواں ہیں، جنہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اور ساتھ ہی ان کی اکثریت مسجد نبوی میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتی رہی، اور عوام وخواص کے نزدیک زمانے میں سلفیت کے امام و علما کے طور پر معروف ہیں، جامعہ کے اندر اور جامعہ کے باہر سلفیت کی ترویج اور اس کی نشر واشاعت کیلئے کوشاں رہے ہیں، بدعت اور اہل بدعت پر رد کرنا اور منہج سلف کا دفاع اور اس کی حفاظت کرنا ان علمائے کرام کا اولین ہدف و مقصد رہا ہے، اخوانیوں اور ان کے ہمنواؤں نے ہمیشہ ان کو ہدف تنقید بنایا ہے، انہیں دھمکیاں بھی ملی ہیں، انہیں اذیتیں بھی دی گئی ہیں، لیکن ہر حال میں یہ لوگ جامعہ اسلامیہ کے اندر اور جامعہ کے باہر سلفیت کی نمائندگی کرتے رہے ہیں..

لیکن جامعہ اسلامیہ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ محمد العریفي، عائض القرني اور سلمان العودۃ جیسے کٹر اخوانیوں کو بلایا جاتا تھا، یہ جان کر بڑا تعجب ہوگا کہ جس وقت سلمان العودۃ جامعہ میں آئے تھے اس وقت "الوطن" اخبار کے ایک صحافی عبدالعزیز محمد قاسم نے "سلمان العودۃ فی قلب الجامعۃ الاسلامیہ" کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا، جس میں انہوں نے باضابطہ طور پر کہا کہ: "شیخ سلمان العودۃ اور ان جیسے دعاۃ پچھلے دو دہائی سے اس جامعہ کی زینت نہیں بنے تھے کیوں کہ اس پر سلفیوں کا قبضہ تھا"۔

اس مضمون کو سلمان العودۃ نے خود اپنی ویب سائٹ islamtoday.Net پر نشر کیا تھا..

والتاریخ یعید نفسہ کے مصداق آج کل جامعہ اسلامیہ کے بعض فارغین بین السطور یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ کا منہج تمام فرق باطلہ کو لے کر چلنے کا رہا ہے... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے فارغین نے جامعہ اسلامیہ کے عقیدہ و منہج کے نصاب کو صحیح سے پڑھا نہیں ہوگا اور نہ ہی مذکورہ بالا سلفی مشایخ کے دروس سے استفادہ کیا ہوگا، کیونکہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں عقیدہ توحید پڑھانے کے ساتھ ساتھ فرق باطلہ پر رد کرنا سکھایا جاتا ہے، بلکہ فرق کا الگ سے سبجیکٹ ہے، جس میں اخوان المسلمین، جماعت اسلامی، روافض، خوارج، معتزلہ، اشاعرہ، تبلیغی اور صوفیوں جیسے دیگر گمراہ

فرقوں کے باطل افکار و نظریات اوران کے شبہات پر رد کرنا سکھایا جاتاہے، نیزان فرقوں کواہل بدعت کی صفوں میں شمار کیا جاتا ہے،اہل بدعت سے دوری اوران سے نفرت وعداوت کو صحابہ کرام کا منہج قرار دیا جاتاہے.....

کیایہی طریقہ درس وتدریس جامعہ دارالسلام عمرآباد میں بھی موجودہے کہ کلاس میں طلبہ علم کو بدعت اوراہل بدعت پر رد کرنے کا طریقہ سکھایا جاتاہو، صوفی و دیوبندی، اخوان المسلمین، جماعت اسلامی، سید قطب، حسن البنا اور مولانا مودودی وغیرہ جیسے منحرفین پر کھل کر رد کیا جاتاہو، انہیں گمراہ قرار دیا جاتاہو، حق کو حق اور باطل کو باطل کہنا سکھایا جاتاہو، رواداری کے نام پر صرف سنت واہل سنت کو برداشت کرنا سکھایا جاتاہو، بدعت اوراہل بدعت سے بغض وبراءت سکھائی جاتی ہو؟

اگر جواب ہاں ہے - جو کہ محال ہے - تب تو جامعہ دار السلام عمرآباد کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے موازنہ بالکل درست ہے، بصورت دیگر کسی طورپر بھی جامعہ دارالسلام عمرآباد کا موازنہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے درست نہیں، دونوں کی راہیں الگ ہیں، دونوں کی بنیاد کا مقصد الگ ہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ایک ایساادارہ ہے جہاں کے فارغین نے عالم اسلام میں سلفیت کی نشرواشاعت میں اہم کردار ادا کیاہے، بلکہ اس ادارہ کا دوسرا نام جامعہ سلفیہ ہی ہے... امیر نایف رحمہ اللہ کا معروف جملہ ہے: "سعودی حکومت کی بنیاد سلفیت پر کھڑی کی گئی ہے، اور ہمیں ہماری سلفیت پر فخر ہے"...

امیر نایف رحمہ اللہ نے سلفیت اور منہج سلف سے متعلق تقریباً دس منٹ کا خطاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ، ذمہ داران اور طلبہ علم سے کیا تھا، وہ سننے کے قابل ہے، ذیل کی لنک سے سنا جاسکتا ہے:

https://www.youtube.com/watch?v=13bdHcCJuBI

آپ قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں کے حکام اپنے ملک کو منہج سلف کی بنیاد پر قائم کہہ رہے ہوں، سلفیت کی طرف انتساب کو باعث عزت وفخر سمجھتے ہوں وہ اپنے یہاں جامعات ومدارس کی بنیاد کس منہج پر رکھیں گے؟

شیخ ابن باز رحمہ اللہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے پہلے رئیس تھے، وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: میں آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لینے کی تلقین کرتا ہوں، یہ سلفی جامعہ ہے جو اپنے یہاں پڑھنے والے طالب علموں کو اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی تعلیم دیتی ہے۔ (۱)

ایک مرتبہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: آپ تمام طلبہ دنیا کے مختلف ممالک سے یہاں تشریف لائے ہیں، اور آپ کے یہاں آنے کا مقصد تفقہ فی الدین کا حصول، اور اس صحیح سلفی عقیدہ کی معرفت ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اور تابعین عظام قائم رہے، اور وہ عقیدہ اجمالا یوں ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، اس کے اسماء وصفات پر ایمان لانا، اور ان اسماء صفات کو اللہ رب العالمین کیلئے اسی طرح ثابت کرنا جو ذات باری تعالیٰ کے شان کے لائق ہے، نہ اس میں کسی قسم کی تحریف کرنا، نہ ہی تعطیل کرنا، نہ اس کی کیفیت بیان کرنا، اور نہ اس کی مثالیں بیان کرنا... (۲)

جب کہ دیوبندی علماء اللہ کے اسماء وصفات کی تاویل کرتے ہیں، بعض صفات کا انکار کرتے ہیں، بلکہ ان دیوبندیوں کی اکثریت صوفیت میں ڈوبی ہے، یعنی دیوبندیوں کے یہاں، اشعریت وماتریدیت، صوفیت، اور تقلید جامد جیسی کھلی گمراہیاں ہیں۔

اور اسی طرح جماعت اسلامی کے پیشوا مولانا مودودی بھی صفات کی تاویل کرتے تھے، بعض احادیث کا انکار کرتے تھے، خارجیت واعتزال کی نشر واشاعت کرتے تھے، رافضیت نوازی ان کے یہاں عام تھی، بعض صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

اس کے باوجود ان دونوں مکتبہ فکر کے علما کو جامعہ دار السلام عمر آباد بطور مدرس واستاذ مقرر کرنا اور پھر اسے رواداری و اعتدال کا نام دینا حد درجہ کی بے اعتدالی ہے، کیونکہ اعتدال صرف اور صرف سلفیت میں ہی ہے۔

اگر آپ کو لگتا ہے کہ ایک جگہ ہر مکتبہ فکر کے بدعتی گمراہ اور سنی لوگ جمع ہو جائیں اور سب اپنے اپنے مسلک پر آزادی کے ساتھ عمل کریں بس اتحاد کے ساتھ رہیں، ایک دوسرے کو برداشت کریں، بدعتی اہل سنت کو تعلیم دے، منحرفین کی کتابیں

---

(۱) [مجموع فتاوی ابن باز (۵/۲۹۷)]۔

(۲) [مجموع فتاوی ابن باز (۲/۳۱۴-۳۱۵)]۔

اہل سنت کا زیور ہوں تو یقین جانیں کہ بعینہ اسی اتحاد کی دعوت اخوان المسلمین اور جماعت اسلامی بھی دیتی ہے، یہ اعتدال نہیں بلکہ ظلم ہے، اور منہج سلف اور اجماع سلف کی صریح مخالفت ہے۔

آپ کا جامعہ ہے، آپ اسے جنت نشان قرار دے سکتے ہیں، چمنستان سلف صالحین کہہ سکتے ہیں، کاروان اہل حدیث کا مسکن کہہ سکتے ہیں، آپ اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا سکتے ہیں، لیکن یہ صرف دعویٰ ہی ٹھہرے گا، اس دعویٰ کی تحقیق ودرستگی کیلئے سلف صالحین کے اصولوں سے ان امور کو ثابت کرنا ہوگا جن کی بنیاد پر آپ کا جامعہ قائم ہے، ورنہ...

كل يدعي وصلا بليلى

وليلى لا تقر بذاكا

حقیقت یہ ہے کہ کافی دنوں سے جامعہ دار السلام عمرآباد کے سلسلے میں لوگ اخذ ورد کر رہے ہیں، مجھے کبھی اس میں دلچسپی نہیں رہی، لیکن جب اس جامعہ کا موازنہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کیا گیا تو ایسا لگا مبالغہ آرائی کی ساری حدیں پار ہو چکی ہیں، انہی سب امور کو مدنظر رکھتے ہوئے چند باتیں سطور کے حوالے کردی...

یاد رہے کہ: کل منا یؤخذ ویرد، لیکن سب وشتم عاجز وسفہا کا ہتھیار ہے...

"بيننا وبينكم فهم الصحابة وكتب السلف الصالح" کے پختہ سلفی اصول کو بنیاد بناتے ہوئے اگر سلف صالحین کے اصول وضوابط کی روشنی میں مذکورہ بالا اشکالات کا جواب ہو تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ معذرت ورجوع کے ساتھ تائیدی تحریر بھی منظر عام پر آسکے...

ڈاکٹر فاروق عبداللہ نراین پوری مدنی
استاد جامعہ اسلامیہ نور باغ، کوسہ، ممبرا، ممبئی

”راہ سلف“ کا معنی ومفہوم: نصوص کی روشنی میں

اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے مابین معلم بنا کر بھیجا، آپ نے تیئس سال کی ایک لمبی مدت تک لوگوں کو دینِ اسلام کی تعلیم دی، اور انھیں بار بار یہ احساس دلایا کہ ان کے پاس اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے سب سے عظیم نعمت یہی دین وشریعت کی نعمت ہے جو ان کی دنیوی واخروی کامیابی کا ضامن ہے۔ اگر کسی کے پاس یہ نعمت ہے تو ان کے پاس اللہ کی سب سے عظیم نعمت موجود ہے، اور کوئی اس نعمت سے محروم ہے تو دنیا کا سب سے بڑا بد نصیب اور محروم شخص ہے، گرچہ اس کے پاس دنیا کی بادشاہت ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر مبعوث فرمایا تھا اس کے نزدیک بس وہی دین قابل قبول ہے، کوئی دوسرا دین نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ"۔(بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔)(۱)

ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے: "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ"۔

(جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاشے وہ دین اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا، اور۔)(۲)

ہر شخص کو قبر کے اندر اسی دین کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ (ما دینک؟) "تمھارا دین کیا تھا؟"

---

(۱)(سورہ آل عمران،۱۹)۔

(۲)(سورہ آل عمران،۸۵)۔

اگر اس نے اپنی عملی زندگی میں اسی دین کو فالو کیا تھا جو دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو دے کر گئے تھے تب تو یہ اس کی نجات کا ضامن ہے، لیکن اگر اس نے کسی ایسے دین کو فالو کیا ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دین سے میل نہیں کھاتا اور میچ نہیں کرتا جو دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سکھایا تھا تو اس کی مقدر میں ہلاکت وناکامی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ کر رخصت ہوئے اس وقت امت میں کوئی فتنہ رونما نہیں ہوا تھا، کوئی تفرقہ بازی نہیں تھی، سب کے سب ایک دین، ایک شریعت اور ایک عقیدہ ومنہج پر قائم تھے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا: «قد تركتكم على البيضاء، ليلها كنهارها، لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك».

(میں نے تمھیں ایک ایسے واضح شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی راتیں بھی دن کے اجالے کی طرح روشن ہیں، میرے بعد اس راستے سے ہلاک ہونے والا ہی روگردانی کرے گا۔)[۱]

امام ابو منصور عبد القاہر البغدادی رحمہ اللہ (متوفی 429ھ) "الفرق بین الفرق" (ص: 12) میں فرماتے ہیں:

"كَانَ الْمُسلمُونَ عِنْد وَفَاة رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم على منهاج وَاحِد فِي أصول الدّين وفروعه غير من أظهر وفَاقا وأضمر نفَاقًا".

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تمام مسلمان دین کے اصول وفروع میں ایک منہج پر قائم تھے، سوائے ان کے جنھوں نے اتفاق کا اظہار تو کیا تھا لیکن اپنے دلوں میں نفاق چھپا کر رکھا تھا۔)

---

[۱] (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۳، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۱۴۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ الأحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیں: حدیث نمبر ۹۳۷)۔

اس وقت کے مسلمان جس راہ پر گامزن تھے اللہ رب العالمین نے اس راہ کو ''سبیل المؤمنین'' سے تعبیر کیا ہے۔یہی ''راہِ سلف'' ہے جس کی اتباع کو نجات کا ضامن اور اس سے انحراف کو ہلاکت کا باعث قرار دیا ہے،اللہ رب العالمین کاارشاد ہے:

"وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"۔

(جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے،اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے کی اتباع کرے تو ہم اسے اس کے حوالے کر دیں گے،اور اسے جہنم رسید کریں گے،اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔)(۱)

اس آیت پر غور کریں! یہاں اللہ رب العالمین نے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد صرف رسول کی مخالفت کو ہی دخول جہنم کا باعث نہیں قرار دیا،بلکہ اس کے ساتھ سبیل المؤمنین (یعنی راہِ سلف) سے روگردانی،اور ان کی راہ کے علاوہ کسی دوسرے کی راہ کی اتباع کو دخول جہنم کا باعث قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں! اگر راہ سلف کوئی ضروری شئی نہ ہوتی تو ''وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ'' کہنے کے بعد ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ'' کے اضافے کی کیا ضرورت تھی؟

ایک مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ رب العالمین کا ایک ایک کلمہ ہر طرح کے لغو اور حشو وزوائد سے پاک ہے۔لہذا یہ آیت بالکل صریح ہے کہ اتباع رسول کے ساتھ ساتھ ''سبیل المؤمنین'' یعنی راہ سلف کی اتباع بھی ضروری ہے۔اگر کوئی اس سے روگردانی کرتا ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

---

(۱)(سورہ النساء:۱۱۵)۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ''مؤمنین'' سے مراد کون لوگ ہیں جن کے راستے کی مخالفت پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ خود اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں اس کی وضاحت وتفسیر موجود ہے۔

اگر ہم کتاب وسنت کا بغور مطالعہ کریں تو پائیں گے کہ اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام کے ایمان اور تقوی کی گواہی خود دی ہے،اور ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔اس کا ارشاد ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ"۔

(جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی وپرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے،ان کے لیے مغفرت اور عظیم اجر ہے۔)(۱)

بلکہ احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں کے لیے بھی اپنی رضامندی اور جنت کا وعدہ کیا ہے،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ"۔

---

(۱)(سورۃ الحجرات:۳)۔

(جو پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے ہیں مہاجرین وانصار میں سے، نیز جو احسان کے ساتھ انکی اتباع کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ تعالی نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ عظیم کامیابی ہے۔)(۱)

یہاں اللہ تعالی نے مہاجرین وانصار یعنی صحابہ کرام کے لیے مطلقا رضامندی وجنت کا اعلان کیا ہے، ان کے لیے ''احسان کے ساتھ اتباع'' کی شرط نہیں لگائی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جن ''مؤمنین'' کی راہ سے روگردانی پر اس نے جہنم کی وعید سنائی ہے اس سے مراد سب سے پہلے صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ پھر جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی۔ اور علمانے اس سے تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو مراد لیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دور کو سب سے بہترین دور کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»۔

(سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے بعد آئے، پھر جو ان کے بعد آئے۔)(۲)

علامہ سفارینی رحمہ اللہ لوامع الانوار البہیہ (20/1) میں فرماتے ہیں:

"الْمُرَادُ بِمَذْهَبِ السَّلَفِ مَا كَانَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ الْكِرَامُ - رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ - وَأَعْيَانُ التَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَأَتْبَاعُهُمْ وَأَئِمَّةُ الدِّينِ مِمَّنْ شُهِدَ لَهُ بِالْإِمَامَةِ، وَعُرِفَ عِظَمُ شَأْنِهِ فِي الدِّينِ، وَتَلَقَّى النَّاسُ كَلَامَهُمْ خَلَفٌ عَنْ سَلَفٍ، دُونَ مَنْ رُمِيَ بِبِدْعَةٍ، أَوْ شُهِرَ بِلَقَبٍ غَيْرِ مَرْضِيٍّ مِثْلِ الْخَوَارِجِ وَالرَّوَافِضِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَالْمُرْجِئَةِ وَالْجَبْرِيَّةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْكَرَّامِيَّةِ، وَنَحْوِ هَؤُلَاءِ".

---

(۱)(سورۃ التوبۃ:۱۰۰)۔

(۲)(صحیح بخاری،۲۶۵۲،وصحیح مسلم ۲۵۳۳)۔

(مذہب سلف سے مراد یہ ہے کہ جس پر صحابہ کرام قائم تھے، نیز تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ دین کے سر کردہ حضرات بھی جس پر قائم تھے، ایسے حضرات جن کی امامت کی گواہی دی گئی ہے، دین کے اندر جن کی عظمت شان معروف ہے، زمانہ در زمانہ لوگوں نے جن کے کلام کو قبول کیا ہے، نہ کہ وہ حضرات جن پر بدعت کی تہمت لگی ہے، یا ناپسندیدہ القاب سے نوازے گئے ہیں، جیسے کہ خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ، جبریہ، جہمیہ، معتزلہ، کرامیہ اور ان جیسی دوسری گمراہ جماعتیں ہیں۔)

پس مذکورہ آیتوں کی روشنی میں بلاشبہ صحابہ کرام کی جماعت ''سبیل المؤمنین'' میں داخل ہے، اور بعد میں آنے والوں کے لیے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنا شرط ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی نے صحابہ کرام کے ایمان کو بعد والوں کے لیے ضابطہ اور معیار قرار دیا ہے، کہ اگر دوسروں کا ایمان انھیں کے ایمان کی طرح ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہیں، ورنہ وہ گمراہ اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ "۔

(اگر وہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم نے ایمان لایا ہے تو وہ ہدایت پائیں گے۔)(۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سب کے سب جہنمی ہیں سوائے ایک فرقے کے، جب پوچھا گیا کہ وہ نجات پانے والی جماعت کون سی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:«مَنْ كَانَ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي».

(آج میں اور میرے صحابہ جس پر قائم ہیں جو بھی اس پر قائم ہو گا وہ نجات یافتہ ہو گا۔)(۲)

---

(۱)(سورۃ البقرۃ:۱۳۷)۔

(۲)المعجم الأوسط(۲۲/۸)۔

قارئین کرام! یہاں غور کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوامع الکلم کی صفت سے متصف ہیں، آپ کا ایک ایک لفظ نہایت قیمتی اور اہمیت کا حامل ہے، آپ کوئی بے معنی ومقصد اور لغو بات نہیں کرتے، اگر صحابہ کرام کی راہ پر چلنا ضروری نہ ہوتا تو ''واصحابی'' کے اضافے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جس طرح اللہ تعالی نے رسول کا تذکرہ کرنے کے بعد ''سبیل المؤمنین'' کا تذکرہ کیا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ''مَنْ كَانَ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ'' کے بعد ''وَأَصْحَابِي'' کا اضافہ فرمایا جس سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ جس سبیل المؤمنین سے روگردانی کو اللہ تعالی نے ہلاکت اور دخول جہنم کا باعث قرار دیا ہے وہ صحابہ کرام کی راہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام جس دین پر قائم تھے اس کی ٹریننگ انھیں کسی اور نے نہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اور انھیں بار بار یہ تاکید کی تھی کہ انھیں اس دین کی حفاظت بھی کرنی ہے، اور آنے والی نسل تک صاف وشفاف شکل میں اسے پہنچانا بھی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے ہر خطبہ جمعہ میں انھیں بدعت سے تحذیر کرتے تھے، نیز پیشن گوئی بھی کی تھی کہ عنقریب کچھ فتنہ پرور آئیں گے اور اس دین کو بگاڑنے اور اس کے صاف وشفاف چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "فإنَّه من يَعِشْ منكم بَعْدي فسَيَرى اختلافًا كثيرًا "۔ (جو میرے زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔)

اور انھیں ان فتنوں سے مقابلے کا طریقہ بھی سکھایا تھا، چنانچہ کہا تھا:

"فعليكُم بسنَّتي وسُنَّةِ الخُلفاءِ، المهديِّينَ الرَّاشدينَ، تَمَسَّكوا بها وعَضُّوا عليها بالنَّواجذِ، وإيَّاكم ومُحْدَثاتِ الأمورِ، فإنَّ كُلَّ مُحدَثةٍ بدْعَةٌ، وكل بدعَةٍ ضَلالَةٌ"۔

(ایسے موقع پر تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے اپنی ڈاڑھ کی دانتوں سے پکڑے رہنا، اور نئی چیزوں کے ایجاد سے دور رہنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)(۱)

صحابہ کرام نے یہ فریضہ پوری امانت داری اور مستعدی کے ساتھ انجام دیا۔ چنانچہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید کیے جانے کے بعد خوارج وروافض اور کذاب ومتہم راویوں کے فتنوں کا ظہور ہوا تو انھوں نے عملی تطبیق کے ذریعہ امت کو سمجھایا کہ کیسے راہ سلف ہی نجات کا ضامن ہے۔ چنانچہ جب عباس رضی اللہ عنہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے ان کے پاس گئے تو انھیں کہا:

"أَتَيْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُهَاجِرِينَ، وَالْأَنْصَارِ، وَمِنْ عِنْدِ ابْنِ عَمِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِهْرِهِ، وَعَلَيْهِمْ نُزِّلَ الْقُرْآنُ، فَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ مِنْكُمْ، وَلَيْسَ فِيكُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ".

(میں تمھارے یہاں صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے پاس سے آیا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد کے پاس سے آیا ہوں جن کے سامنے قرآن نازل ہوا، لہذا وہ اس کی تفسیر تم زیادہ جانتے ہیں، اور تم میں سے کوئی بھی ان میں سے-یعنی صحابہ کرام میں سے- نہیں ہے۔)(۲)

آپ حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر غور کریں کہ کیسے انھوں نے خوارج کے سامنے ان کی گمراہی کو واضح کیا اور ان کی گمراہی کی سب سے اہم وجہ یہ بیان کی کہ تم میں سے کوئی اصحاب رسول میں سے نہیں، اور تم ان کی راہ پر گامزن نہیں جو قرآن اور دین کو تم سے بہتر جاننے وسمجھنے والے ہیں۔

---

(۱)(سنن ابی داود، حدیث نمبر ۴۶۰۷، وسنن ابن ماجہ ۴۳، ۴۴، وغیرہ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل ۲۴۵۵ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۲)(المستدرک للحاکم، حدیث نمبر ۲۶۵۶، والسنن الکبری للبیہقی ۱۶۷۴۰)۔

یہی بات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ کی مسجد میں ان لوگوں کے سامنے کہی تھی جو الگ الگ گروپ کی شکل میں تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے: "لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا , أَوْ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمًا"۔(۱)

(یا تو تم علم میں صحابہ کرام سے بھی آگے بڑھ گئے ہو یا پھر تم نے ظلم و زیادتی کرتے ہوئے یہ بدعت ایجاد کی ہے۔) کیونکہ تمھارا یہ طریقہ اس دین سے میل نہیں کھاتا جو دین اللہ کے رسول نے ہم صحابہ کو سکھایا تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ»۔ (۲)

(تم میں سے جو کسی کی اقتدا کرنا چاہے اس چاہئے کہ وہ صحابہ کرام کی اقتدا کرے، وہ اس امت کے سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے، سب سے زیادہ ہدایت کے سیدھے راستے پر چلنے والے، اور سب سے بہترین احوال والے تھے، ایسے لوگ جنھیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا تھا، اس لیے ان کے مقام و مرتبے کو سمجھو، اور ان کی اتباع کرو، کیونکہ وہ سب ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن تھے۔)

پس پتہ چلا کہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے نصوص کی روشنی میں راہ سلف سے مراد صحابہ کرام کی راہ ہے، اور جو بھی ان کے بعد احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والا ہو ان کی راہ ہے، اور اس میں تابعین، تبع تابعین اور تبع

---

(۱)(البدع لابن وضاح (۱/۳۵)۔

(۲)(جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۹۴۷)۔

اتباع التابعین سب سے پہلے داخل ہوتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا ہے، اور ان کے دور کو خیر القرون کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ڈاکٹر زبیر صاحب کا علمی مذاکرہ بنام:

”حجیت منہج سلف“ کا جائزہ (قسط دوم)

ڈاکٹر زبیر کے منجملہ انحرافات میں سے علمائے سلف پر طعن وتشنیع اوران پر جھوٹے الزامات لگانا ہے۔گزشتہ چند سالوں میں انہوں نے منہج سلف کی مخالفت بلکہ بغض وعداوت اور اہل بدعت سے تقرب کی چاہ میں سلفیت کے ثابت شدہ مجمع علیہ اصولوں پر انہی اعتراضات کو دوہرایا ہے جو اہل بدعت نے ائمہ سلف پر کیا تھا۔اپنے متعدّد بیانات میں انہوں نے امام اللالکائی، امام بربہاری، امام حسن بصری اور امام فضیل بن عیاض رحمہم اللہ پر تکفیری ہونے کا الزام دھرا ہے۔جس اثر سے انہوں نے امام حسن بصری رحمہ اللہ پر تکفیری ہونے کا حکم صادر کیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں:

«عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: صَاحِبُ الْبِدْعَةِ لَا تُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَلَا حَجٌّ وَلَا عُمْرَةٌ وَلَا جِهَادٌ، وَلَا صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ». (۱)

ہشام بن حسان بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: بدعتی کی نہ کوئی نماز قبول ہوتی ہے نہ ہی روزہ اور نہ ہی حج وعمرہ اور جہاد قبول ہوتا ہے نیز اس کے فرائض ونوافل بھی قبول نہیں کئے جاتے ہیں"۔

ڈاکٹر صاحب نے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ اہل بدعت کی تکفیر کیا کرتے تھے کیوں کہ صرف کافر کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی عبادتیں قبول نہیں ہوتیں۔

---

(۱) «الشريعة للآجري»: (۴۵۹/۱)۔

جواب: اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ متعدد احادیث میں مختلف گناہوں کے ارتکاب پر آپ ﷺ نے عدم قبولیت کا حکم لگایا ہے۔ ان میں سے بعض امور میں بدعات میں داخل ہوتے ہیں اور بعض گناہ کبیرہ کے ضمن میں آتے ہیں۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «مَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ، وَلَا صَرْفٌ». (١)

ترجمہ: ''جس (غلام) نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسری قوم سے اپنا تعلق جوڑا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس سے قیامت کے دن کوئی نفل یا فرض عمل قبول نہیں ہو گا۔''

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کے اعمال کی عدم قبولیت کا حکم لگایا ہے۔ اگر "لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا" کا جملہ کفر پر دلالت کرتا تو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر دوسری قوم سے اپنی نسبت جوڑنے والا کافر ٹھہرتا۔

٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «الْمَدِينَةُ حَرَمٌ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ، وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ ». (٢)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا: "مدینہ حرم ہے جس نے اس میں کسی بدعت کا ارتکاب کیا یا کسی بدعت کے مرتکب کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا کوئی بھی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا"۔

---

(١) «صحیح مسلم» (٢١٦/٤)۔
(٢) «صحیح مسلم» (١١٦/٤)۔

۳) «عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ ظُلْمًا أَخَافَهُ اللهُ، وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا".»(۱)

ترجمہ: "جس نے ظلماً اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا کیا اس پر اللہ تعالی کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا کوئی بھی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا"۔

٤) عن إبراهيم التيمي، عن أبيه، عن علي رضي الله عنه، قال: ما عندنا شيء إلا كتاب الله، وهذه الصحيفة عن النبي صلى الله عليه وسلم: " المدينة حرم، ما بين عائر إلى كذا، من أحدث فيها حدثا، أو آوى محدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل، وقال: ذمة المسلمين واحدة، فمن أخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف، ولا عدل، ومن تولى قوما بغير إذن مواليه، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف، ولا عدل". (۲)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یا پھر یہ صحیفہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ (اس میں ہے کہ) ”مدینہ عائر پہاڑ سے فلاں جگہ تک قابل احترام ہے۔ لہذا جو شخص اس میں کوئی نئی بات (بدعت یا دست درازی) کرے گا یا بدعتی کو جگہ دے گا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول ہوگی اور نہ کوئی فرض عبادت۔“ نیز فرمایا: ”مسلمانوں میں پاس عہد کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ اب جو کوئی مسلمان کے عہد کو توڑے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ اس کا کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔ اور جو شخص اپنے آقاؤں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے معاہدہ موالات کرے گا اس پر بھی اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ اس کی نہ نفل عبادت قبول ہوگی۔ اور نہ فرض عبادت۔“

(۱) «مسند أحمد» (۹۲/۲۷ط الرسالة)۔

(۲) صحيح البخاري (۲۰/۳)۔

قارئین کرام! مذکورہ احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے بدعت اور دیگر کبیرہ گناہوں پر لعنت اور غضب الہی کی بددعا دی اور اعمال کی عدم قبولیت کا حکم سنایا۔

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال کی عدم قبولیت کا سبب صرف کفر ہی نہیں ہے بلکہ بعض کبیرہ گناہوں اور بدعات کے سبب بھی عمل غیر مقبول ٹھہرتا ہے۔

ان احادیث سے کسی بھی محدث یا فقیہ نے یہ استدلال نہیں کیا کہ مدینہ میں بدعت کرنے والا یا بدعتی کو پناہ دینے والا کافر ہے۔

اوپر بیان کئے گئے مفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابن بطہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الإبانة الكبرى" میں ان الفاظ کے ساتھ ایک عنوان قائم کیا ہے: "بَابُ ذِكْرِ الذُّنُوبِ الَّتِي تَصِيرُ بِصَاحِبِهَا إِلَى كُفْرٍ غَيْرِ خَارِجٍ عَنِ الْمِلَّةِ" "ان گناہوں کا بیان جن کا مرتکب دین سے خارج نہیں ہوتا ہے" (۱)، پھر اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے: "وَمَنْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَغَضَبُهُ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا". "اور جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہو، روز قیامت اللہ رب العالمین اس کے فرائض ونوافل قبول نہیں کرے گا"۔ (۲)

گویا امام ابن بطہ رحمہ اللہ کے زمانے کے خوارج اس حدیث میں وارد عمل کی عدم قبولیت کے جملے سے کفر اکبر مراد لیتے تھے جس کی تردید کرتے ہوئے امام صاحب نے اس حدیث کا صحیح معنی بیان کیا۔

---

(۱) الإبانة الكبرى لابن بطة: (۲/۷۲۳).

(۲) الإبانة الكبرى لابن بطة: (۲/۷۴۷).

ان احادیث کو سامنے رکھیں اور ڈاکٹر زبیر صاحب سے سوال کریں کہ جس طرح انہوں نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے اہل بدعت کی تکفیر کی ہے، کیا مذکورہ احادیث سے بھی یہی استدلال کرتے ہیں کہ ان اعمال کے مرتکبین کافر ہیں؟

ان احادیث اور ان کے مثل دیگر احادیث کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کی عدم قبولیت کا سبب کبھی بدعت مکفرہ بھی ہو سکتی ہے اور کبھی بدعت غیر مکفرہ بھی۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے اس نوعیت کی احادیث کی بہترین توجیہ اپنی کتاب "الاعتصام" میں بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"وَهَذِهِ الأحاديث وما كان نحوها. مما ذكرناه أو لم نذكره. (وإن لم) نتضمن عهدة صِحَّتِهَا كُلِّهَا، فَإِنَّ الْمَعْنَى الْمُقَرَّرَ فِيهَا لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ أَصْلٌ صَحِيحٌ لَا مَطْعَنَ فِيهِ.

أَمَّا أَوَّلًا: فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَ فِي بَعْضِهَا مَا يَقْتَضِي عَدَمَ الْقَبُولِ، وَهُوَ فِي الصَّحِيحِ كَبِدْعَةِ الْقَدَرِيَّةِ حَيْثُ قَالَ فِيهَا عَبْدُ اللَّهِ بن عمر رضي الله عنهما: (إِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ، وأنهم براء مني، فوالذي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ كَانَ لِأَحَدِهِمْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا تَقَبَّلَهُ اللَّهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ". ثُمَّ اسْتَشْهَدَ بِحَدِيثِ جِبْرِيلَ الْمَذْكُورِ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ.

وَإِذَا ثَبَتَ فِي بعضهم هذا لأجل بدعته، فكل مبتدع يخاف عليه (أن يكون) مثل من ذكر.

وأما ثانياً: فإن كون الْمُبْتَدِعَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَمَلٌ، إِمَّا أَنْ يُرَادَ أَنَّهُ لَا يُقْبَلُ لَهُ بِإِطْلَاقٍ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ وَقَعَ مِنْ وِفَاقِ سُنَّةٍ أَوْ خِلَافِهَا، وَإِمَّا أَنْ يُرَادَ أَنَّهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ مَا ابْتَدَعَ فِيهِ خَاصَّةً دُونَ مَا لَمْ يَبْتَدِعْ فِيهِ.

فَأَمَّا الْأَوَّلُ: فَيُمْكِنُ عَلَى أَحَدِ أَوْجُهٍ ثَلَاثَةٍ:

الْأَوَّلُ: أَنْ يَكُونَ عَلَى ظَاهِرِهِ مِنْ أَنَّ كُلَّ مُبْتَدِعٍ أَيَّ بِدْعَةٍ كَانَتْ، فَأَعْمَالُهُ لَا تُقْبَلُ مَعَهَا، دَاخَلَتْهَا تِلْكَ الْبِدْعَةُ أَمْ لَا. وَيُشِيرُ إِلَيْهِ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ الْمَذْكُورُ آنِفًا، وَيَدُلُّ عَلَيْهِ حَدِيثُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ سَيْفٌ فِيهِ صَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ، فقال: والله ما عندنا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، فَنَشَرَهَا فَإِذَا فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَإِذَا فِيهَا: (الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ عَيْرٍ إِلَى كَذَا. مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا). وَذَلِكَ عَلَى رَأْيِ مَنْ فَسَّرَ الصَّرْفَ وَالْعَدْلَ بِالْفَرِيضَةِ وَالنَّافِلَةِ. وَهَذَا شَدِيدٌ جِدًّا عَلَى أَهْلِ الْإِحْدَاثِ فِي الدِّينِ.

الثَّانِي: أَنْ تَكُونَ بِدْعَتُهُ أَصْلًا يَتَفَرَّعُ عَلَيْهِ سَائِرُ الْأَعْمَالِ، كَمَا إِذَا ذَهَبَ إِلَى إِنْكَارِ الْعَمَلِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ بِإِطْلَاقٍ.

الْوَجْهُ الثَّالِثُ: أَنَّ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ فِي بَعْضِ الْأُمُورِ التَّعَبُّدِيَّةِ أَوْ غَيْرِهَا قَدْ يَجُرُّهُ اعْتِقَادُ بِدْعَتِهِ الْخَاصَّةِ إِلَى التَّأْوِيلِ الَّذِي يُصَيِّرُ اعْتِقَادَهُ فِي الشَّرِيعَةِ ضَعِيفًا، وَذَلِكَ يُبْطِلُ عليه جميع عمله.

وَأَمَّا الثَّانِي: وَهُوَ أَنْ يُرَادَ بِعَدَمِ الْقَبُولِ لِأَعْمَالِهِمْ مَا ابْتَدَعُوا فِيهِ خَاصَّةً، فَيَظْهَرُ أَيْضًا". (١)

ترجمہ: مذکورہ احادیث اور ان جیسی دیگر احادیث (جن کا ہم نے ذکر کیا یا نہیں کیا) اگرچہ ہم ان سب کی صحت کی ضمانت نہیں دیتے، لیکن ان سے جو مفہوم ثابت ہوتا ہے، شریعت میں اس کی اصل موجود ہے۔ اس باب میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں مختلف صورتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

پہلی صورت: بعض احادیث ایسی ہیں جن میں صاحب بدعت کے عمل کی عدم قبولیت کی صراحت موجود ہے، اور یہ احادیث صحیح بھی ہیں، جیسے قدریہ کی بدعت کے بارے میں وارد احادیث۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے بارے میں فرمایا: "(جب تم ان لوگوں سے ملو تو انہیں بتادو کہ **میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں**۔ اس ذات کی قسم جس کی قسم عبداللہ بن عمر کھاتے ہیں، اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے

(١) الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني (١/١٩٠-١٩٨).

خرچ کردے تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔" پھر انہوں نے صحیح مسلم میں مذکور حدیث جبرائیل سے استشہاد کیا۔

لہذا جب بدعت کے سبب بعض اہل بدعت کے عمل کی عدم قبولیت کا معاملہ ثابت ہو گیا تو تمام مبتدعین کے تعلق سے یہ خدشہ موجود ہے کہ ان کا عمل غیر مقبول ٹھہرے۔

دوسری صورت: بدعتی کے اعمال عدم قبولیت سے دو میں سے کوئی ایک شے مراد ہو سکتی ہے:

(۱)۔ اس کے تمام اعمال علی الاطلاق قبول نہیں کئے جائیں گے، خواہ وہ سنت کے موافق ہوں یا مخالف۔

(۲)۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ اس کے بدعی اعمال قبول نہیں کئے جائیں گے البتہ غیر بدعی اعمال مقبول ٹھہریں گے۔

جہاں تک تمام اعمال کی عدم قبولیت کا معاملہ ہے تو اس کا تین طرح کا مفہوم لیا جا سکتا ہے:

- **پہلا:** یہ کہ اس کا ظاہری معنی ہی مراد ہو کہ ہر بدعتی، خواہ اس کی بدعت کسی بھی نوعیت کی ہو، اس کے اعمال غیر مقبول ٹھہرتے ہیں خواہ فی نفسہ وہ عمل بدعی ہو یا نہ ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے، نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا، اور ان کے پاس ایک تلوار تھی جس میں ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا، تو انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں جسے ہم پڑھتے ہوں سوائے اللہ کی کتاب کے اور اس صحیفے میں جو کچھ ہے۔" پھر انہوں نے اسے کھولا تو اس میں دیت میں دیے جانے والے اونٹوں کی عمر کی بابت تذکرہ تھا اور اس میں یہ بھی تھا: "(مدینہ) عیر سے لے کر فلاں تک حرم ہے، جو اس میں کوئی نئی بات (بدعت) پیدا کرے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ اس سے نہ کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ کوئی نفل۔" یہ ان علما کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے صرف اور عدل کی تفسیر فرض اور نفل سے کی ہے۔ اہل بدعت کے لیے اس میں بڑی سخت وعید ہے۔

- **دوسرا:** یہ کہ اس کی بدعت ایک ایسا اصل اور قاعدہ ہو جس سے باقی تمام اعمال متفرع ہوتے ہوں، جیسے کہ اگر کوئی مطلقاً خبر واحد پر عمل کرنے سے انکار کر دے۔

- تیسرا: یہ کہ بعض عباداتی یا دیگر معاملات میں بدعت کا حامل شخص اپنی مخصوص بدعت کے اعتقاد کی وجہ سے ایسے تاویل کی طرف جا سکتا ہے جو دین کے بارے میں اس کے اعتقاد کو کمزور کر دے، اور یہ اس کے تمام اعمال کو باطل کر دے گا۔

جہاں تک دوسرا معنی مراد لینے کی بات ہے تو وہ معنی بھی درست ہے، یعنی بدعتی کا صرف وہی عمل غیر مقبول ہوگا جو بدعت پر مبنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عمل کی عدم قبولیت سے مراد کبھی تمام اعمال ہوں گے اور کبھی صرف وہ عمل جو بدعت پر مبنی ہو۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کے اس کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "کسی کے عمل کا غیر مقبول ہونا اس کے کفر کو مستلزم نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کی توجیہ منہج سلف سے مطابقت رکھتی ہے"۔

امام شاطبی رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر بدعتی کے اعمال کی عدم قبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے نہایت سخت الفاظ میں ان کی مذمت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں: «فَاعْلَمُوا أَنَّ الْبِدْعَةَ: لَا يُقْبَلُ مَعَهَا عِبَادَةٌ مِنْ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلَا غَيْرِهَا مِنَ الْقُرُبَاتِ، وَمُجَالِسُ صَاحِبِهَا تُنْزَعُ مِنْهُ الْعِصْمَةُ، وَيُوكَلُ إِلَى نَفْسِهِ، وَالْمَاشِي إِلَيْهِ وَمُوَقِّرُهُ مُعِينٌ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ، فَمَا الظَّنُّ بِصَاحِبِهَا؟ وَهُوَ مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ الشَّرِيعَةِ، وَيَزْدَادُ مِنَ اللَّهِ بِعِبَادَتِهِ بُعْدًا، وَهِيَ مَظِنَّةُ إِلْقَاءِ الْعَدَاوَةِ وَالْبَغْضَاءِ، وَمَانِعَةٌ مِنَ الشَّفَاعَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ، وَرَافِعَةٌ لِلسُّنَنِ الَّتِي تُقَابِلُهَا، وَعَلَى مُبْتَدِعِهَا إِثْمُ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَيْسَ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ، وَتُلْقَى عَلَيْهِ الذِّلَّةُ وَالْغَضَبُ مِنَ اللَّهِ، وَيُبْعَدُ عَنْ حَوْضِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، وَيُخَافُ عَلَيْهِ أَنْ يَكُونَ مَعْدُودًا فِي الْكُفَّارِ الْخَارِجِينَ

عَنِ الْمِلَّةِ، وَسُوءُ الْخَاتِمَةِ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنَ الدُّنْيَا، وَيَسْوَدُّ وَجْهُهُ فِي الْآخِرَةِ، [وَ] يُعَذَّبُ بِنَارِ جَهَنَّمَ، وَقَدْ تَبَرَّأَ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَتَبَرَّأَ مِنْهُ الْمُسْلِمُونَ، وَيُخَافُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ»۔(۱)

"جان لو کہ صاحب بدعت کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے، خواہ وہ نماز ہو یا روزہ، صدقہ اور اس کے علاوہ دیگر نیک اعمال۔ اہل بدعت کی مجالست اختیار کرنے والا لغزشوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے، اس کی طرف چل کر جانے والا اور اس کی توقیر کرنے والا اسلام کو ڈھانے اور اسے مٹانے کی راہ ہموار کرنے والا ہے۔

تصور کریں کہ صرف اہل بدعت کی مجالست اور ان کی تعظیم وتوقیر کرنے والوں کا یہ حکم ہے تو خود بدعتی کا کیا حکم ہوگا؟

شریعت نے اہل بدعت پر لعنت کی ہے، وہ جتنی زیادہ عبادتیں کرے گا اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا جائے گا۔ بدعت دشمنی اور بغض وعداوت پیدا کرنے کا سبب ہے اور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دینے والی شے ہے، نیز سنتوں کے اٹھا لئے جانے کا سبب بھی ہے۔

بدعت ایجاد کرنے والے پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے گا جنہوں نے اس بدعت پر عمل کیا۔ بدعتی کی توبہ قبول نہیں کی جاتی بلکہ اس پر اللہ کی جانب سے ذلت ورسوائی کی مار پڑتی ہے۔ اہل بدعت کو قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کے حوض ست دھتکار دیا جائے گا، اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ بدعتی کا شمار کفار اور دین سے خارج لوگوں میں کیا جائے اور ان کی موت سوء خاتمہ پر ہو نیز آخرت میں ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں اور عذاب جہنم سے بھی دوچار ہو۔ اہل اسلام ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ لوگ فتنہ میں پڑنے مامون نہیں رہتے"۔

(۱) «الاعتصام للشاطبي ت الهلالي»: (۱/۱۴۱)۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ "لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا" سے سلف صالحین نے کیا سمجھا ہے نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اس طرح کے نصوص سے کفر اکبر مراد لینا خوارج کا عمل ہے جو اہل سنت والجماعت کا طریق کار نہیں۔

لہذا اپنے عقیدہ ومنہج کی حفاظت کا سامان کریں اور ان عناصر سے دوری بنائیں جو سلفیت کے نام پر خارجیت، اخوانیت اور سروریت کی ترویج میں لگے ہیں۔

عبداللہ عبدالرشید مدنی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

امام آجری رحمہ اللہ، کتاب ''الشریعہ'' اور سلفی منہج: تعارف اور تجزیہ (قسط اول)

اللہ تعالی نے اپنا دین مکمل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ کی امت خیر کے ہر پہلو سے آگاہ اور ہر قسم کے شر سے متنبہ کر دی گئی تھی۔ بعدہ جیسے جیسے زمانہ عہد نبوی ﷺ سے دور ہوتا چلا گیا ویسے ویسے امت میں گمراہیاں در آنے لگیں۔ دوسری تیسری صدی ہجری آتے آتے امت مسلمہ میں بدعات وخرافات، باطل افکار و نظریات اور گمراہ کن عقائد کو پنپنے اور پروان چڑھنے کا بھرپور موقع ملا۔ حافظ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں اس دور کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:

جب خلیفہ امین قتل کر دیا گیا اور مامون نے کمانِ حکومت سنبھالی تو شیعیت اپنے پیر پھیلانے لگی اور علم کلام کا دور دورہ ہوا۔ یونانی منطق وفلسفہ ہر سو چھا گیا اور ستاروں کی چالیں دیکھنے کا عمل رائج ہو گیا۔ غرضیکہ ایک ایسا نیا علم پیدا ہوا جو انتہائی ہلاکت خیز تھا اور عقیدۂ توحید و تعلیمات نبویہ کے سراسر خلاف تھا۔ یہ ایسا علم تھا کہ ابتک امت اس سے محفوظ تھی۔ نتیجے کے طور پر ایک طرف روافض اور معتزلہ سر اٹھانے لگے، تو دوسری طرف خلیفہ مامون مسلمانوں کو عقیدۂ خلق قرآن پر مجبور کرنے لگا اور اس کی نشر و اشاعت کرنے لگا۔ اس نے علما کو سخت آزمائشوں میں مبتلا بھی کیا۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ!

یقینا یہ بھی ایک بڑی مصیبت ہے کہ کہ آپ جن امور پر نکیر کیا کرتے تھے انہیں خیر سمجھنے لگے اور جنہیں خیر سمجھتے تھے ان پر نکیر کرنے لگے۔ نیز یہ کہ فلسفیوں کی عقلانی باتوں کو مقدم رکھا جائے، اصحاب رسول کے منقولات کو کالعدم قرار دیا جائے، قرآن کریم کے متعلق بے جا بحث ومباحثہ کا بازار گرم کیا جائے، سنن وآثار سے بیزاری کا اظہار کیا جائے اور آپ حیرت واستعجاب کے عالم میں پڑے رہیں! ایسی بربادی سے

قبل راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت ہے۔ خبر دار ! گمراہ کن خواہشات اور عقلی دھماچوکڑی میں ہر گز نہ پڑنا کہ صراط مستقیم کی جانب ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اللہ کی رسی (قرآن وحدیث) کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔[1]

چنانچہ جب شریعت الہی کو تختہ مشق بنایا جانے لگا تو اللہ نے ایسے جہابذہ پیدا کئے جنھوں نے اسلامی عقیدہ ومنہج کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور رہتی دنیا تک کے لئے انہیں صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دیا۔ انہی جہابذہ شخصیات میں ایک عظیم الشان نام امام ابو بکر محمد بن الحسین رحمہ اللہ کا بھی ہے جنہیں دنیا امام آجری کے نام سے جانتی ہے۔آپ کا عہد انتہائی پر فتن وپر آشوب رہا، یہی وجہ ہے کہ آپ کو بغداد سے مکہ ہجرت کرنی پڑی اور غالب گمان یہی ہے کہ ہجرت کے بعد ہی آپ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الشریعۃ تصنیف فرمائی۔

نام ونسب

آپ کا نام محمد بن الحسین بن عبد اللہ ہے۔[2] بغداد کی طرف نسبت کر کے آپ کو البغدادی اور بغداد کی ایک بستی "آجر" کی جانب نسبت کر کے الآجری کہا جاتا ہے۔[3] نیز آپ کی کنیت ابو بکر ہے۔ لہٰذا آپ ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری البغدادی ہوئے۔

امام ذہبی نے "السیر"[4] میں آپ کو الامام المحدث القدوۃ اور شیخ الحرم الشریف کے القاب سے ملقب کیا ہے۔

---

(۱)۱/۲۴۰ط بیروت

(۲)السیر ۱۶/۱۳۳،۱۳۴ط الرسالۃ

(۳)معجم البلدان ۱/۵۱ط بیروت

(۴)السیر حوالہ مذکور

پیدائش ووفات

صراحت کے ساتھ کسی مصدر میں امام آجری رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش کا ذکر موجود نہیں ہے البتہ آپ کی تاریخ وفات (یکم محرم الحرام بروز جمعہ سن ۳۶۰ھ) پر تمام مصادر متفق ہیں اور آپ مکہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ نومولود کی ولادت کے وقت رب العالمین کے سوا بھلا کسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ ایک عالم ومحدث کی شکل میں دنیا سے رخصت ہوگا۔ ایک عالم گمنام پیدا ہوتا ہے لیکن مشہور زمانہ ہوکر وفات پاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ امام موصوف کا بھی ہے۔ البتہ بوقت وفات آپ کی عمر سے مورخین نے آپ کی سن پیدائش کا اندازہ لگایا ہے، لیکن اس سلسلے میں مورخین کے یہاں دو اقوال پائے جاتے ہیں:

پہلا قول: امام ذہبی نے السیر میں وفات کے وقت آپ کی عمر اسی (۸۰) سال تھی۔ اس اعتبار کی آپ کی پیدائش کا سال سن ۲۸۰ھ رہا ہوگا۔

دوسرا قول: بعض علما جیسے صاحب العقد الثمین کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۶ سال تھی۔[1] اس اعتبار سے آپ کی پیدائش سن ۲۶۴ھ میں ہوئی ہوگی۔

امام آجری رحمہ اللہ کی وفات کے متعلق کئی مورخین نے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے اور امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب "المنتظم" میں اسے باسند امام موصوف کے ایک شاگرد، ابو سہل محمود بن عمر العکبری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب امام ابو بکر آجری رحمہ اللہ مکہ پہنچے (۳۳۰ھ) تو آپ نے اسے بہت پسند کیا اور اپنے جی میں کہا "اے اللہ مجھے اس بستی میں کم از کم ایک سال ضرور زندہ رکھنا"۔ اتنا کہنا تھا کہ آپ نے کسی کو کہتے ہوئے سنا "اے ابو بکر ایک سال کیوں؟ بلکہ تیس سال!" اس کے جب تیس سال بعد سن

---

(۱) العقد الثمین:۲/۱۶۴ط بیروت

۳۶۰ھ آیا تو پھر انہوں نے کسی کہنے والے کو کہتے سنا "اے ابو بکر ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا!"، پس اسی سال آپ کی وفات ہو گئی۔(۱)

طلب علم اور مشائخ وتلامذہ

امام آجری رحمہ اللہ کے رحلہ طلب علم کے متعلق مصادر ومراجع میں تفصیل موجود نہیں ہے، البتہ آپ کے جملہ مشائخ کو دیکھتے ہوئے علمانے یہ بات کہی ہے کہ آپ نے بغداد اور مکہ ہی کے علما سے کسب فیض کیا کیونکہ اس زمانے میں بغداد علم وعلما کا مرکز ومحور تھا۔امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس زمانے میں علما بغداد ہی (علم فن کے) کُل دنیا تھے"۔(۲) چنانچہ آپ نے شہر بغداد میں سینکڑوں علما سے استفادہ کیا۔ بلکہ آپ کے اکثر مشائخ بغدادی ہیں۔ بعدہ آپ مکہ المکرمہ تشریف لے گئے اور مکی علما سے بھی خوب کسب فیض کیا۔ بلکہ ہجرت مکہ سے قبل بھی حج وعمرہ کی مناسبت سے آپ مکہ آکر یہاں کے علما سے استفادہ کرتے رہے تھے۔

اگر آپ کی سب سے اہم کتاب صرف "الشریعۃ" کی مناسبت سے بات کی جائے تو آپ کے مشائخ کی تعداد ۸۰ تک پہنچتی ہے جن میں حافظ ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی، حافظ ابو بکر عبداللہ ابن ابی داود السجستانی اور ابو بکر عبداللہ بن محمد الواسطی ایسے مشائخ ہیں جن سے آپ نے سب سے زیادہ روایتیں بیان کی ہیں۔

اس کے علاوہ امام ذہبی نے ان کے ۱۷ مشائخ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا: "وخلقا سواھم" یعنی ان کے علاوہ مزید کئی علما سے آپ نے کسب فیض کیا ہے۔(۳)

اسی طرح آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔اس کی وجہ یہ رہی کہ آپ نے اَسّی سال کی لمبی عمر پائی اور زندگی کا ایک طویل حصہ آپ نے درس وتدریس میں گزارا۔ابن خلکان کہتے ہیں: آپ سے حفاظ کی

---

(۱) ۱۴/۲۰۸ط بیروت

(۲) ۱۱/۱۵۹ط تراث

(۳) السیر۱۶/۱۳۴

ایک بڑی جماعت نے روایت بیان کی ہے جن میں امام ابو نعیم الاصبھانی صاحب حلیۃالاولیاء بھی شامل ہیں۔(۱) ذیل میں ان میں سے چند قبل ذکر شاگردوں کے نام درج کیے جارہے ہیں:

۱۔ابراہیم بن اسماعیل بن جعفر قاضی الحرمین۔

۲۔مشہور محدث حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی۔

۳۔ابوالقاسم خلف بن القاسم الازدی الاندلسی۔

۴۔ابو محمد عبدالرحمٰن بن عمر المعروف بابن النحاس۔

۵۔مشہور امام عبیداللہ بن محمد بن بطہ العکبری صاحب الکتاب الابانۃ۔

۶۔احمد بن محمد ابو بکر مکی، جنہوں نے امام آجری سے کتاب الشریعہ کی روایت کی ہے۔

۷۔ابوالحسین بن بشران اور ان کے بھائی ابوالقاسم، یہ دونوں امام خطیب بغدادی کے اساتذہ میں سے ہیں۔

آپ بغداد میں بھی درس حدیث دیتے رہے، اور مکہ میں گوشہ نشیں ہونے کے بعد تاوفات آپ مسند تدریس پر فائز رہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مکہ المکرمہ میں حجاج، مغاربہ اور مجاورین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے روایتیں بیان کی ہیں"۔(۲)

تصنیفات

امام آجری رحمہ اللہ کثیر التصانیف شخصیت ہیں۔آپ نے مختلف علوم وفنون میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چالیس سے زائد کتابوں کے آپ مصنف ہیں جن میں کئی مسند کتابیں بھی شامل ہیں۔ البتہ ان تمام کتابوں

---

(۱)وفیات الاعیان ۴/۲۹۲ط بیروت

(۲)تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۹ط بیروت

میں سب سے اہم کتاب "الشریعۃ" ہے جس میں آپ نے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و منہج اور اصول الدین کو اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اس کتاب کو اہل السنۃ کے درمیان عقائد و منہج کی بنیادی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے اور آپ کے بعد آنے والے بڑے بڑے علما نے اپنی کتابوں میں اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔ امام ذہبی نے [۱] آپ کو "حسن التصانیف" اور امام ابن کثیر [۲] نے "لہ مصنفات کثیرۃ مفیدۃ" کہا ہے۔ ذیل میں آپ کی چند مزید مطبوع کتابوں کا نام درج کیا جارہا ہے:

۱۔ اخلاق حملۃ القرآن

۲۔ اخبار عمر بن عبد العزیز

۳۔ کتاب الاربعین

۴۔ تحریم النرد والشطرنج والملاھی

۵۔ التصدیق بالنظر الی اللہ فی الآخرۃ

۶۔ جزء فیہ مسألۃ الجھر بالقرآن فی الطواف

۷۔ کتاب ذم اللواط

۸۔ کتاب الغرباء من المومنین

اس کے علاوہ آپ کی بیس سے زیادہ کتابیں اب بھی مخطوطہ کی شکل میں دنیا کے مختلف مکتبات میں محفوظ ہیں۔

---

(۱) مختصر العلو: ص ۲۴۶

(۲) البدایۃ: ۱۵/۳۳۰ ط ھجر

آپ کا عقیدہ ومنہج

امام آجری رحمہ اللہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ ومنہج پر تھے، قرآن وحدیث کے پیروکار تھے اور منہج صحابہ کو لازم پکڑنے والے اور اس کی جانب دعوت دینے والے تھے۔آپ کی کتاب "الشریعہ" میں جابجا اس کے شواہد موجود ہیں۔ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ وہ اِس راستے پر چلے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم اور جن لوگوں نے احسان کے ساتھ انکی پیروی کی ان کے راستے پر۔اور ان علما کے راستے کی پیروی کرے جو ہر بلد میں موجود رہے جیسے امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام قاسم بن سلام وغیرہ۔ نیز یہ کہ ان علما نے جن مناہج ومذاہب کی مذمت بیان کی ہے ان سے اجتناب کرتا رہے۔"[۱]

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

"اپنے سلفی ائمہ کے راستے پر چلتے رہو ہدایت پر اور روشن وواضح شاہراہ پر رہو گے ان شاء اللہ۔"[۲]

ساتھ ہی آپ بدعت اور اہل بدعت کے سخت خلاف تھے اور لوگوں کو اہل بدعت سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

---

(۱)الشریعۃص۱۰۳ط ریاض

(۲)الشریعۃ۴۸۸

"اللہ اس بندے پر رحم کرے جو ان باطل فرقوں سے بچتا رہے اور بدعت سے دوری بنائے رکھے۔ نیز اتباع کرے، ابتداع نہ کرے، صحابہ کرام کے آثار کو لازم پکڑے، صراط مستقیم کا متلاشی ہو اور (ان امور پر)اپنے مولائے کریم سے استعانت طلب کرنے والا ہو۔ "(۱)

آپ صفات باری تعالی کے باب میں سختی سے منہج صحابہ پر گامزن تھے اور تمام اسماء وصفات کو بغیر کسی تحریف، تمثیل، تعطیل اور تشبیہ کے اللہ تعالی کے لئے ثابت کرتے تھے۔ نیز کتاب الشریعۃ میں آپ رحمہ اللہ نے اس باب میں تمام گمراہ فرقوں جیسے خوارج، مرجئہ، قدریہ ، حلولیہ، صوفیہ ، جھمیہ اور معتزلہ، اشاعرہ وماتریدیہ پر ڈٹ کر رد کیا ہے۔ ساتھ ہی نواصب وروافض کی بھی اچھی خبر لی ہے۔ نیز باطل فرقوں نے اس کے علاوہ جن عقدی امور میں اہل السنہ سے اختلاف کیا ہے ان پر بھی مسند ومدلل گفتگو کی ہے۔

مزید یہ کہ جن علما نے آپ کا ترجمہ ذکر کیا انھوں نے آپ کے صحیح العقیدہ ہونے کی گواہیاں پیش کی ہیں۔ علما کی گواہیوں کا تذکرہ آرہا ہے ان شاء اللہ۔

آپ کا علمی مقام اور اہل علم کی گواہیاں

جن علما نے آپ کا ترجمہ پیش کیا وہ سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ کوئی آپ کو فقیہ، محدث اور ثقہ کہتا ہے تو کوئی حافظ متدین اور صالح۔ کسی نے آپ کو صدوق، اثری، صاحب السنہ کہا تو کوئی عابد وزاہد اور ورع کے لقب سے ملقب کرتا نظر آتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

- خطیب بغدادی کہتے ہیں: آپ ثقہ صدوق اور متدین شخصیت تھے۔(۲)

---

(۱)الشریعۃ ۳۱۵

(۲)تاریخ بغداد ۳/۳۵ط بیروت بشار

- سمعانی اور ابن الجوزی نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے۔[۱][۲]
- مناقب الامام احمد میں ابن الجوزی لکھتے ہیں: آپ رحمہ اللہ علم وزہد دونوں کی جامع شخصیت تھے اور کئی کتابیں تصنیف کی تھیں۔[۳]
- الحسین بن احمد بن عبداللہ بن البنا المعروف بابن البناء جنہوں نے تقریبا ۵۰۰ کتابیں تصنیف کی تھیں اور "الشریعۃ" کا اختصار بھی کیا تھا؛امام موصوف کے متعلق فرماتے ہیں: آپ رحمہ اللہ امام ناصح اور زاہد وصالح شخص تھے، نیز آپ کا کلام انتہائی سادہ اور واضح ہوا کرتا تھا۔[۴]
- ابن الاثیر نے آپ کو "من حفاظ المحدثین" کہا ہے۔[۵]
- امام ذہبی نے تو آپ کو اپنی مختلف تصانیف میں مختلف القاب سے یاد کیا ہے:
  - سیر اعلام النبلاء میں انہوں نے امام موصوف کو الامام المحدث القدوۃ اور شیخ الحرم الشریف قرار دیا۔[۶]
  - تذکرۃ الحفاظ میں انہوں نے آپ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا: "آپ عالم باعمل اور صاحب سنت واتباع تھے"[۷]

---

(۱)الانساب ا/۶۹ط حیدرآباد

(۲)المنتظم ۲۰۸/۱۴

(۳)مناقب الِامام أحمد ص ۶۸۵

(۴)المختار في أصول السنۃ بتحقیق الشیخ عبدالرزاق البدر ص ۴۴

(۵)الکامل فی التاریخ ۳۰۱/۷ط بیروت

(۶)السیر ۲۱۱/۱۲ط الرسالۃ

(۷)۹۹/۳ط بیروت

- "العِبر" میں رقمطراز ہیں: "آپ ثقہ، متدین اور صاحب سنت تھے"[۱]
- "المعین فی طبقات المحدثین" میں امام موصوف کو "شیخ الحرم۔۔۔صاحب تالیفات ثقة" قرار دیا ہے۔[۲]
- "مختصر العلو" میں آپ کو "حافظ وزاہد" کہا۔ اور اس کے کچھ بعد لکھا: "آجری رحمہ اللہ فقیہ، محدث، اثری اور عمدہ تصنیفات والے تھے"۔[۳]

- امام ابن کثیر فرماتے ہیں: "آپ رحمہ اللہ ثقہ، صادق اور متدین تھے، نیز ان کی بہت سی مفید تصنیفات ہیں"۔[۴]

مذکورہ بالا گواہیوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امام آجری رحمہ اللہ اہل السنہ کے امام اور قدوہ ہیں۔ آپ بیک وقت حافظ، محدث، فقیہ اور عابد وزاہد شخصیت ہیں۔ اہل علم نے آپ کو اہل السنہ کا امام قرار دیا ہے اور آج تک وہ آپ کی کتب سے استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ فرحم اللہ الامام الآجری ورفع درجاتہ فی علیین وجزاہ عن الامۃ کل الخیر۔

---

(۱)۲/۱۰۷

(۲)رقم ۱۲۷۵

(۳)ص ۲۴۶،۲۴۷

(۴)البدایۃ والنھایۃ ۱۵/۳۳۰ط ھجر

حافظ فیضان عالم
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

تبدیع معین: مفہوم ضوابط اور چند اشکالات (قسط دوم)

جیسا کہ پیچھے گذرا کہ بدعت اپنے حکم میں یکساں نہیں، بلکہ اس کے مختلف مدارج ہیں، بعض بدعت کفر کا درجہ رکھتی ہیں، تو بعض فسق و فجور کے دائرے میں آتی ہیں، لہذا تبدیع معین سے پہلے امر بدعت کی تعین ضروری ہے، کیونکہ ہر بدعت موجب تبدیع نہیں۔ اسی طرح کسی شخص معین پر حکم صادر کرنے سے پہلے، من جملہ طور پر وہ شخص کن اوصاف کا حامل ہے، اسے بھی دیکھنا اہم ہے۔ اگر اس کی اصل اہل سنت والجماعت سے ہے، تو محض بدعت کے ارتکاب پر، اسے مبتدع نہیں قرار دیا جائے گا، جب تک کہ کسی واضح اور کبیرہ بدعت کا وہ مرتکب نہ ہو جائے۔۔ ذیل میں کس نوعیت کی بدعت پر تبدیع کی جاتی ہے، اس کی توضیح درج کی جارہی ہے۔

ا-بدعت کبری/بدعت کلیہ سے تبدیع لازم آتی ہے۔

بدعت کبری سے مراد، ایسی بدعت جو شریعت کے عام اصول کے بر خلاف ہو، یا اہل سنت والجماعت کے اصول سے بالکلیہ متصادم ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والبدعة التي يعد بها الرجل من أهل الأهواء ما اشتهر عند أهل العلم بالسنة مخالفتها للكتاب والسنة؛ كبدعة الخارج والروافض والقدرة والمرجئة"۔(۱)

"جس بدعت کی بنیاد پر شخص اہل بدعت میں شمار ہوتا ہے، اس کا قرآن وسنت کے مخالف ہونا اہل سنت کے نزدیک معروف و مشہور ہو، جیسے خوارج، روافض، قدریہ، اور مرجئہ کی بدعت"۔

---

(۱) مجموع الفتاوی (۴۱۴/۳۵)۔

اس سلسلے میں امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" وأما من ابتدع في الدين لكنه لم يبتدع ما ينقض أمرا كليا، أو يخرم أصلا من الشرع عاما، فلا دخول له في النص المذكور يعني قول النبي صلى الله عليه وسلم (كلها في النار إلا واحدة)"۔(۱)

"جس نے دین میں بدعت ایجاد کیا، لیکن وہ بدعت دین کے امر کلی کے منافی نہیں، اور نہ شریعت کے عام اصولوں سے معارض ہے، تو ایسے شخص پر جہنم کی وعید کا اطلاق نہیں ہوگا"۔

اسی طرح ایک مقام پر قدرے وضاحت سے لکھتے ہیں:

"فإذا كان من مقتضى العادة أن التعريف بهم على التعيين يورث العدواة والفرقة وترك الموالفة، لزم من ذلك أن يكون منهيا عنه، إلا أن تكون البدعة فاحشة جدا كبدعة الخوارج، فلا إشكال في جواز إبدائها وتعيين أهلها"۔(۲)

"اگر یہ بات یقینی ہے کہ بالتعین انہیں بدعتی کہنے سے عداوت و دشمنی فروغ پائے گی، تو ایسی صورت میں تبدیع کو ترک کرنا اولی ہے، لیکن اگر بدعت انتہائی قبیح ہو، جیسے خوارج کی بدعت، تو اس صورت میں بصراحت انہیں مبتدع قرار دینے میں کوئی اشکال نہیں"۔

ابن وزیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فأما المبتدعة فإنما أعني بهم أهل البدع الكبرى الغلاة ممن كانوا، فأما البدع الصغرى فلا تسلم منها طائفة غالبا"۔(۳)

---

(۱) الاعتصام:(۲۰۳/۳)۔

(۲) الاعتصام(۲۰۶/۳)۔

(۳) (إيثار الحق على الخلق ص:۸۴)۔

"بدعتی سے مراد بدعت کبری کے مرتکب ہیں، بدعت صغری سے شاید ہی کوئی گروہ ہو جو کہ محفوظ رہا ہو"۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہے کہ تبدیع معین، اس صورت میں جائز ہے، جب کسی ایسی بدعت کا ارتکاب کیا جائے، جو کہ عین کتاب وسنت کے مخالف ہو، یا وہ بدعت، شرعی اصولوں سے متصادم قرار پاتی ہوں، جیسے خوارج اور رافضی عقائد اختیار کرنے پر تبدیع معین جائز ہے، کیونکہ یہ عقائد شریعت کے عام اصولوں کے برخلاف ہیں، لہذا اگر کوئی ان گمراہ فرقوں کے افکار کو اختیار کرتا ہے، تو اس کی تبدیع مندرجہ بالا اقوال کی روشنی بلا تامل جائز ہے۔

اس کے بجائے اگر کسی جزئی بدعت /بدعت صغری کا ارتکاب ہو، جس کی حد، کلی بدعت سے نہ ملتی ہو، تو اس بنا پر اس کی تبدیع نہیں کی جائے گی۔ بلکہ محض اس کے زجر و توبیخ پر اکتفا کیا جائے گا۔

۲-بدعت، واضح اور جلی ہو، اور اس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو تو تبدیع جائز ہے۔

جن بدعات کی بنیاد پر تبدیع معین جائز ہے، اس کی ایک شرط یہ بھی ہے وہ بدعت جلی ہو، اس سے نصوص شریعت کی صریح مخالفت لازم آتی ہو، اس کے برخلاف اگر بدعت مخفی ہو، یا اس میں تاویل کا کوئی احتمال ہو، تو اس بنا پر مبتدع قرار دینا، شیوہ سلف نہیں۔ مندرجہ آیت میں اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ۝١١٥﴾۔(۱)

جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے، اور مومنین کے راستے سے روگردانی اختیار کرتا ہے، تو اسے اسی راستے پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

(۱)النساء:۱۱۵۔

آیت میں رسول اور سبیل المومنین کی مخالفت کا حکم، تبیین اور عدم تبیین سے مشروط ہے، لہذا اگر دین اور شریعت کی مخالفت، مسئلے کے عدم فہم یا بدعت کی عدم توضیح کی بنیاد پر پائی جا رہی ہو، تو ایسی صورت میں وہ شخص آیت کے وعید سے خارج ہو گا۔

اس نکتے کو کئی اہل علم نے اجاگر کیا کیا ہے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ، اہل حدیث کے مابین مشہور نزاعی مسئلہ لفظی بالقرآن مخلوق کے سیاق میں لکھتے ہیں:

"وليس ما اختلفوا فيه مما يقطع الألفة، ولا مما يوجب الوحشة لأنهم مجمعون على أصل واحد وهو (القرآن كلام غير مخلوق) في كل موضع وبكل جهة، وعلى كل حال، وإنما اختلفوا في فرع لم يفهموه لغموضه ولطف معناه، فتعلق كل فريق منهم بشعبة منه، ولم يكن معهم آلة التمييز، ولا فحص الناظرين، ولا علم أهل اللغة"۔(۱)

"اس مسئلے میں اختلاف کی نوعیت اتنی سنگین نہیں، کہ جو قطع تعلقی اور آپس میں دوری بنائے رکھنے کے موجب ہو، کیونکہ یہ تمام اصل مسئلہ میں متفق ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔ البتہ زیر بحث مسئلے کے بعض فروع میں ان سے چوک ہوئی ہے، کیونکہ یہ فروعی مسئلے کافی پیچیدہ اور دقیق تھے، لہذا انہوں نے ظاہر کو دیکھ کر اپنے موقف کو اختیار کیا، دراصل وہ مسئلے کی سنگینی سے نابلد تھے، عربی زبان سے خاطر خواہ واقفیت تھی، اور نہ تحقیقِ نظر میسر تھا۔ اس لیے ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی"۔

بدعت کی توضیح اور عدم توضیح کے تناظر میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱)(الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية لابن قتيبة: ص:۵۷)۔

" ولا ريب أن الخطأ في دقيق العلم مغفور للأمة، وإن كان ذلك في المسائل العلمية، ولو لا ذاك لهلك أكثر فضلاء الأمة"۔(١)

"اس میں کوئی شک نہیں کہ دقیق مسائل میں غلطی واقع ہونا، قابل مواخذہ نہیں، گرچہ یہ غلطی اعتقادی مسئلے میں ہی کیوں نہ واقع ہوئی ہو، اگر اس بنیاد پر مواخذہ کیا جائے، تو اکثر اہل علم غیر معتبر قرار پائینگے"۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"فإذا كان كثير مما تنازعت فيه الأمة من هذه المسائل الدقيقة قد يكون عند كثير من الناس مشتبهًا، لا يقدر فيه على دليل يفيد اليقين، لا شرعي ولا غيره؛ لم يجب على مثل هذا في ذلك ما لا يقدر عليه، وليس عليه أن يترك ما يقدر عليه، من اعتقاد قول غالب على ظنه لعجزه عن اليقين بل ذلك هو الذي يقدر عليه لا سيما إذا كان مطابقًا للحق، فالاعتقاد المطابق للحق ينفع صاحبه، ويثاب عليه ويسقط به الفرض؛ إذا لم يقدر على أكثر منه. لكن ينبغي أن يُعرف أن عامة من ضل في هذا الباب، أو عجز فيه عن معرفة الحق، فإنما هو لتفريطه في اتباع ما جاء به الرسول – صلى الله عليه وسلم –، وترك النظر والاستدلال الموصل إلى معرفته"۔(٢)

"بیشتر دقیق مسائل، جن میں امت کا اختلاف وارد ہے، اکثر لوگوں کے نزدیک وہ مسائل مشتبہ ہوتے ہیں، چونکہ مسئلے کی کسی دلیل تک رسائی پانا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ایسی صورت میں ان کی استطاعت سے زائد کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ جس قدر بھی مسئلہ میں حق تک کی رسائی ممکن ہو۔ اسے اختیار کرنا ضروری ہے، اگر یقین میسر نہیں تو غالب رجحان کو اختیار کرنا لازم ہے، ایسی صورت میں یہی طریقہ واجب ہے، خاص طور پر اگر غالب رجحان حق کے موافق ہو، کیونکہ اگر عقیدہ حق کے موافق ہوا تو وہ نفع بخش ثابت ہوگا اور لائق ثواب بھی، اور مسئلے کی

---

(١) (درء تعارض العقل والنقل ٢/٣١٥)۔

(٢) مجموع الفتاوى (٣١٤/٣)۔

فرضیت بھی جاتی رہے گی بشرطیکہ وہ اس سے زائد کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ لیکن اس حقیقت کو بھی درکنار نہیں کیا جاسکتا کہ بیشتر لوگ جو اس نوعیت کے مسائل میں گمراہ ہوتے ہیں ان کی گمراہی؛ اتباع سنت میں کوتاہی اور صحیح غور وفکر سے جی چرانے کے باعث ہی وجود میں آتی ہے"۔

اس قول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جن بدعات کی وجہ سے شخص مبتدع قرار دیا جاتا ہے، اس میں بدعت کے ظاہر اور جلی ہونا، اور اس بدعت کے خلاف دلیل کا واضح ہونا ضروری ہے، اگر بدعت مخفی ہے، یا کسی سبب کے بنیاد پر، کسی کو عمل کی بدعیت کی تفہیم میسر نہ ہو پائی، تو ایسی صورت میں مرتکب شخص کو مبتدع قرار دینے سے احتراز کیا جائے گا۔ ائمہ اہل سنت کے ہاں اس صورت میں عدم تبدیع کی کئی شواہد ہمیں دیکھنے ملتے ہیں۔ ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

١-اسماوصفات باری تعالٰی کے باب میں ائمہ اہل سنت کا موقف:

اسماوصفات، توحید کا رکن اساسی ہے، اس کے ذریعہ رب العالمین کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے، اس لئے نصوص شریعت میں اسماوصفات باری تعالٰی کے تئیں جو بھی تفصیل مذکور ہے، اسے من وعن تسلیم کرنا، اس کی تاویل سے گریز کرنا اور اس میں در آئے انحرافات کی کلی نفی کرنا ہمارے عقیدے کا حصہ ہے۔

اس بابت ائمہ اہل سنت کا تعامل پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، وہ ایک طرف، صفات باری تعالٰی کے انکار و تعطیل کی بنیاد پر جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ کی تبدیع کرتے ہیں، بلکہ صفات باری تعالٰی کی تعطیل اور تشبیہ کی بنیاد پر، بعض منحرف گروہوں کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جب بعض ثقہ اور معتبر اہل علم کے ہاں بھی صفات باری تعالی کے مبحث میں لغزش واقع دکھائی دی، تو انہیں مبتدع نہیں سمجھا گیا۔

اس تفریق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پہلے گروہ نے صفات باری تعالٰی کے جلی مسائل میں صریح طور پر نصوص کی مخالفت کی ہے، جبکہ ان معتبر علما کے ہاں اس مبحث میں چوک کی وجہ صحیح منہج تک کی رسائی کا نہ ہونا تھا، جس کے کئی اسباب تھے: انہیں صحیح ماحول میسر نہ ہوسکا، یا ایسے اساتذہ کی شاگردی نصیب ہوئی، جو گمراہ فرقوں سے قدرے متاثر تھے،

جس کی بنا پر وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعض صفات میں تفویض اور تاویل کی راہ اختیار کی۔ اہل علم نے ان کی علمی منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے، ان کی اس چوک پر تنقید فرمائی، اور امت کو ان اخطاء سے متنبہ فرمایا، لیکن انہیں مبتدع نہیں قرار دیا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"فالحافظ ابن حجر كالإمام النووي وغيره ممن أخطؤو في بعض المسائل العقدية، كما يقولون اليوم، فذلك لا يخرجهم عن كونهم من أهل السنة والجماعة، لأن العبرة بما يغلب على الإنسان من فكر صحيح أو عمل صحيح"۔(۱)

"ابن حجر رحمہ اللہ، امام نووی اور دیگر ائمہ کی طرح ہیں، جن سے بعض اعتقادی مسائل میں غلطی ہوئی ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں، لیکن اس بنیاد پر اہل سنت سے انہیں خارج نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اصل، انسان میں کونسا وصف غالب ہے، اعتبار اس کا ہے، (اگر فکر وعمل من جملہ طور پر درست ہے، تو خطا اور چوک ہونے سے انہیں مبتدع نہیں قرار دیا جائے گا)"۔

ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"إن الشيخين الحافظين (النووي وابن حجر) لهما قدم صدق ونفع كبير في الأمة الإسلامية، ولئن وقع منهما خطأ في تأويل بعض نصوص الصفات إنه لمغمور بما لهما من الفضائل والمنافع الجمة، والذي نرى أنهما من أهل السنة والجماعة "۔(۲)

---

(۱)(موسوعۃ الألباني في العقيدة ۴/۲۱۵)۔

(۲)(لقاءات الباب المفتوح (۳/السؤال رقم ۹)۔

"حافظ نووی اور ابن حجر عسقلانی رحمہا اللہ کی صداقت میں کوئی کلام نہیں، امت کو انہوں نے کافی نفع پہنچایا ہے، اگر بعض نصوص صفات کی تاویل میں ان سے چوک ہوئی ہے، تو امت پر ان کے عظیم احسانات، اس کی تلافی کے لئے کافی ہیں، اور ہم بہر صورت انہیں اہل سنت والجماعت کا فرد ہی سمجھتے ہیں"۔

فتاوی لجنہ دائمہ میں مرقوم ہے:

"موقفنا من أبي بكر الباقلاني والبيهقي وأبي الفرج بن الجوزي وأبي زكريا النووي وابن حجر وأمثالهم ممن تأول بعض صفات الله تعالى أو فوضوا في أصل معناها - أنهم في نظرنا من كبار علماء المسلمين الذين نفع الله الأمة بعلمهم فرحمهم الله رحمة واسعة وجزاهم عنا خير الجزاء ، وأنهم من أهل السنة فيما وافقوا فيه الصحابة رضي الله عنهم وأئمة السلف في القرون الثلاثة التي شهد لها النبي صلى الله عليه وسلم بالخير، وأنهم أخطأوا فيما تأولوه من نصوص الصفات، وخالفوا فيه سلف الأمة وأئمة السنة رحمهم الله"۔[1]

"ابو بکر الباقلانی، بیہقی، ابن جوزی، ابو زکریا نووی، ابن حجر رحمہم اللہ اور ان جیسے دیگر اہل علم جنہوں نے صفات باری تعالیٰ کی تاویل کی، اور اس کے معانی کی تفویض کے قائل ہوئے، ان تمام کی بابت ہمارا موقف یہ ہے، یہ امت کے بڑے علما ہیں، ان کے ذریعہ اللہ نے امت کو کافی نفع پہنچایا ہے، رحمہم اللہ رحمہ واسعہ وجزاہم عنا خیر الجزاء، جن مسائل میں انہوں نے مذہب سلف کی موافقت کی ہے، ان میں انہیں اہل سنّت والجماعت کا فرد تسلیم کیا جاتا ہے، اور جن نصوص کی انہوں نے تاویل کی، ان میں انہیں منہج سلف کا مخالف تسلیم کیا جاتا ہے"۔

٢-مراتب صحابہ کا اختلاف اور اہل سنت کا موقف:

---

(١)(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ٣/٢٤٠)۔

اہل سنت کے نزدیک تمام صحابہ کرام عادل ہیں،اور ہر ایک کا مستقل مرتبہ ہے،جوانہیں دوسرے سے فائق کرتا ہے۔اگر کوئی ان کے فضائل کا منکر ہے،یاان کی شان میں تنقیص کرتا ہے تووہ موجب تبدیع ہے۔لہذا اہل علم،صحابہ کرام کی بابت غلط پروپیگنڈا کرنے والے گروہوں کو مبتدع تسلیم کرتے ہیں،جیساکہ اہل سنت کے ہاں روافض اور خوارج کی بایں سبب بصراحت تبدیع کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔

اس کے برخلاف بعض افراد،مخصوص صحابہ کے من جملہ فضائل کے تواقراری ہیں،البتہ تقابل کے دوران ان کے صحیح مرتبے کا اعتراف نہیں کرتے۔جیساکہ بعض گروہ نے حضرت علی اور حضرت عثمان کی انفرادی فضائل کو تسلیم کیا،کسی پر کوئی طعن وتشنیع نہیں کی،البتہ مقارنے میں حضرت علی کو حضرت عثمان پر فوقیت دے دی۔اہل سنت،ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ گروہ اپنے موقف میں غلط ہے،البتہ ان کی تبدیع نہیں کی جائے گی،کیونکہ یہ غلطی ایسی نہیں،جو انتہائی واضح ہو،بلکہ مسائل کا صحیح ادراک نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ غلطی لاحق ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربعو بعلي، وقدم قوم عليا، وقوم توقفوا، لكن استقر أمر أهل السنة على تقديم عثمان، وإن كانت هذه المسألة – مسألة عثمان وعلي- ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها عند جمهور أهل السنة، لكن المسألة التي يضلل المخالف فيها هي مسألة الخلافة، وذلك أنهم يؤمنون بأن الخليفة بعد رسول الله صلي الله عليه وسلم، أبو بكر ثم عمر، ثم عثمان ثم علي، ومن طعن في خلافة أحد من هؤلاء الأئمة؛ فهو أضل من حمار أهله"۔(١)

"(تفضیل علی وعثمان کے مسئلے متعلق)ایک قوم نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقدم مان کر سکوت اختیار کرلیایا حضرت علی کو چوتھے مرتبے کا مستحق مانا،اور ایک گروہ نے حضرت علی کو مقدم سمجھا،اور ایک نے مکمل پر اس مسئلے میں

(١)(مجموع الفتاوی(٣/١٥٣)۔

توقف اختیار کیا، گرچہ یہ مسئلہ جمہور اہل سنت کے نزدیک ان اصولی مسائل میں سے نہیں، جس کی بنیاد پر فریق مخالف کی تضلیل کی جاتی ہے، لیکن اگر یہ اختلاف، مسئلہ خلافت کے متعلق ہو، تو بے شک اس میں تضلیل کی جائے گی۔ چونکہ زیر بحث مسئلہ میں متذکرہ گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالترتیب ابوبکر صدیق، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت پر یقین رکھتے ہیں۔ (اس لیے اس کی تبدیع نہیں کی جائے گی)۔ جس نے ان ائمہ عظام کی خلافت پر طعن کیا، وہ گدھے سے بھی گیا گزرا ہے"۔

۳-غالی مرجئہ اور مرجئۃ الفقہاء کی تفریق کی بنیاد۔

جیسا کہ معلوم ہے ایمان: تصدیق، قول اور عمل کا نام ہے۔ ایمان کی ماہیت کے حوالے سے کئی فرقوں نے گمراہی اختیار کی ہے۔ جہمیہ کے نزدیک ایمان، محض معرفت کا نام ہے، اشاعرہ، ایمان کو دل کی تصدیق سے تعبیر کرتے ہیں، اور کرامیہ، زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ نیز یہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب جنت میں ہونگے، وہ کردہ گناہوں کے سبب وہ جہنم میں داخل نہیں ہونگے، کیونکہ ان کے تصور کے موجب کبیرہ گناہوں سے ایمان متاثر نہیں ہوتا۔ (۱)

ایمان کے حوالے سے یہ تصور مبتدع قرار دینے کے لئے کافی ہے، کیونکہ اس تصور سے صریح نصوص کی مخالفت اور اس بابت منقول اجماع سلف سے روگردانی لازم آتی ہے۔

اس مسئلے میں ایک مختلف رائے مرجئۃ الفقہاء کی ہے، جو کہ ایمان کی ماہیت میں عمل کو شامل نہیں مانتے۔ یہ تصور بھی بدعی ہے، تاہم اس کے قائلین کی تبدیع نہیں کی گئی، کیونکہ تفصیل میں جانے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ عمل کو اہمیت ضرور دیتے ہیں، عمل کی بنیاد پر ثواب وعقاب کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں، اگر عمل میں کمی کوتاہی واقع ہو تو ایمان میں نقص آتا ہے، اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں، لیکن عمل کو جزو ایمان تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اس کی تاویل

(۱) دیکھیں: (التنبیہ والرد علی الأھواء والبدع للملطي ص:۵۷)۔

یہ ہے کہ قرآن نے ایمان کو عمل صالح پر عطف کیا ہے، اور ان کے بقول واوے عطف مغایرت یعنی اختلاف کو درشانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، لہذا اس روسے عمل جزوایمان نہیں ہوا۔ (١)

ظاہر ہے یہ استدلال سراسر غلطی اور بدعت پر مبنی ہے، البتہ لیکن پہلے گروہ کے نسبتاً قدرے خفیف ہے۔ اس لیے اس موقف کی تردید ضرور کی گئی، لیکن اس گروہ کو اہل سنت سے خارج نہیں قرار دیا گیا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بابت فرماتے ہیں:

"والمرجئة " الذين قالوا : الإيمان تصديق القلب وقول اللسان والأعمال ليست منه كان منهم طائفة من فقهاء الكوفة وعبادها ; ولم يكن قولهم مثل قول جهم ; فعرفوا أن الإنسان لا يكون مؤمنا إن لم يتكلم بالإيمان مع قدرته عليه . وعرفوا أن إبليس وفرعون وغيرهما كفار مع تصديق قلوبهم لكنهم إذا لم يدخلوا أعمال القلوب في الإيمان لزمهم قول جهم وإن أدخلوها في الإيمان لزمهم دخول أعمال الجوارح أيضا فإنها لازمة لها ولكن هؤلاء لهم حجج شرعية بسببها اشتبه الأمر عليهم فإنهم رأوا أن الله قد فرق في كتابه بين الإيمان والعمل ; فقال في غير موضع: {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} ورأوا أن الله خاطب الإنسان بالإيمان قبل وجود الأعمال فقال : {يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق}". (٢)

"وہ مرجئہ، جنہوں نے ایمان کو دلی تصدیق اور اقرار باللسان میں محصور سمجھا، اور عمل کو ایمان کا حصہ نہیں گردانا، ان میں بعض کوفہ کے فقہا اور صالحین کا بھی شمار ہوتا ہے، ان کا موقف بالکلیہ جہم بن صفوان کی طرح نہیں، ان کا ماننا ہے کہ اگر قدرت حاصل ہے، تو اقرار باللسان کے بغیر انسان مومن نہیں ہوسکتا، اسی طرح ابلیس، فرعون اور ان کے ہمنوا کافر ہیں، گرچہ وہ دل سے ایمان کی تصدیق کرتے ہوں، انہوں نے عمل کو جزو ایمان نہیں جانا، اس ناحیے سے

---

(١) دیکھیں: (الإیمان للقاسم بن سلام (ص:٢٩)۔

(٢) مجموع الفتاوی (٧/١٩٤)۔

ان پر جہم بن صفوان کا قول صادق آتا ہے، اگروہ عمل کو جزو ایمان تسلیم کرتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ عمل جوارح کو بھی جزو ایمان سمجھیں، لیکن بعض دلائل کی بنیاد پر انہیں یہ شبہ لاحق ہوا، کہ اللہ نے ایمان اور عمل کے درمیان تفریق کی ہے، جیسا اللہ نے فرمایا: "بیشک جن لوگوں نے ایمان لایا اور نیک عمل کیا"۔

ان کے بقول ان آیات میں اللہ نے اعمال کے وجود میں آنے سے قبل انہیں ایمان سے متّصف کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ”اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کہنیوں سمیت دھولو“۔

مزید دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"كانت هذه البدعة أخف البدع، فإن كثيراً من النزاع فيها نزاع في الاسم واللفظ دون الحكم، إذ كان الفقهاء الذين يضاف إليهم هذا القول مثل حماد بن أبي سليمان وأبي حنيفة وغيرهما مع سائر أهل السنة متفقين على أن الله يعذب من يعذبه من أهل الكبائر بالنار ثم يخرجهم بالشفاعة، وعلى أنه لابد في الإيمان أن يتكلم بلسانه، وعلى أن الأعمال المفروضة واجبة وتاركها مستحق للذم والعقاب". (۱)

"یہ بدعت کوئی بڑی بدعت نہیں تھی، اس تناظر کے بیشتر اختلافات لفظی ہیں، اس سے مسئلے کے حکم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، وہ فقہا جن سے یہ قول منسوب ہے جیسے حماد بن أبي سفیان، ابو حنیفہ اور دیگر اہل علم، یہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ اہل کبائر کو جہنم کا سزاوار بنائے گا، پھر انہیں شفاعت کے ذریعہ جہنم سے باہر نکالے گا، اور وہ مانتے ہیں کہ ایمان کے لیے زبان سے اقرار لازم ہے، فرض کردہ اعمال کا کرنا واجب ہے، اور اس کے ترک کرنے سے عقاب لازم آتا ہے"۔

---

(۱) مجموع الفتاوی (۱۳/۳۸)۔

بعض معاصر اہل علم بھی مرجئۃ الفقہاء کے تئیں یہی موقف رکھتے ہیں۔ مفتی مملکت سعودی عرب شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الإمام ابن حنيفة رحمه الله وشيخه حماد بن أبي سليمان هما من مرجئة الفقهاء الذين يقولون لا تدخل أعمال الجوارح في الإيمان، مع أنهم يقولون بالتغليظ فيها، إنما هي مسألة الاسم فقط، والجمهور على خلاف هذا"۔(۱)

امام ابوحنیفہ اور ان کے استاد حماد بن ابوسلیمان یہ مرجئہ فقہا میں سے ہیں، جن کا کہنا ہے اعمال جوارح ایمان کا حصہ نہیں، لیکن عمل کی ادائیگی پر وہ تاکید کرتے ہیں، یہ بظاہر لفظی نزاع ہے، جمہور اہل سنت کا موقف اسکے برخلاف ہے۔

شیخ عبدالمحسن العباد فرماتے ہیں:

"الإيمان عند أهل السنة هو قول وعمل واعتقاد يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية، وقد ظهرت فرق من أهل الإسلام تقول بالإرجاء وأنه لا يضر مع الإيمان ذنب، ولا فرق بين أتقى الناس وأفجر الناس مادام أن الكل مسلم، وهذا قول غلاة المرجئة ، أما مرجئة الفقهاء فيقولون: إن الإيمان قول وتصديق ولا يلزم معه العمل، ومع ذلك فلا يخرج مرجئة الفقهاء من دائرة أهل السنة والجماعة"۔(۲)

"اہل سنت کے نزدیک ایمان قول وعمل سے عبارت ہے، نیک کام سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اور معصیت سے ایمان گھٹتا ہے، بعض ایسے فرقے نمودار ہوئے، جنہوں نے ارجا کے نظریے کو فروغ دیا اور باور کرایا کہ گناہ سے ایمان متاثر نہیں ہوتا، اسی طرح نیک اور فاجر میں کوئی جوہری فرق نہیں، جب تک کہ وہ مسلمان ہیں، یہ غلاۃ

---

(۱)فتاوی ورسائل سماحۃ الشیخ محمد ابن ابراھیم (۲۴۵/۱)۔

(۲)(شرح سنن أبي داود شریط رقم:(۵۲۴)۔

المرجئہ کی سوچ ہے،ان میں ایک گروہ مرجئہ الفقہاء کا ہے،جو ایمان کو قول اور تصدیق سے مرکب جانتے ہیں،اور عمل کو ایمان میں شامل نہیں مانتے،لیکن یہ اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں مانے جاتے"۔

ان اقوال سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ مرجئہ فقہا اہل سنت والجماعت میں سے ہیں،ایمان کے باب میں ان کا موقف بدعت پر مبنی ہے،تاہم انہیں مبتدع نہیں قرار دیا جائے گا۔لہذا اگر بدعت خفی تو اس سے تبدیع نہیں کی جائے گی،تاوقتیکہ بدعت جلی اور واضح نہ ہو۔

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط ششم)

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ جب اس حدیث سے مراد اہل ارتداد ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "أصحابي" کیوں کہا؟ جبکہ صحابہ تو وہ ہوتے ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور ان کی وفات بھی حالت ایمان میں ہی ہوئی ہو۔

جواب: اس اعتراض کا جواب کئی ایک ناحیے سے دیا جانا ممکن ہے۔

1۔ پہلا جواب یہ ہے کہ اہل الردہ پر لفظ صحابی کا اطلاق باعتبار ماکان کے قبیل سے ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اصحابی اس لئے کہا کیوں کہ انہوں نے آپ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا اور آپ کی وفات تک اسلام پر ہی قائم رہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنا ساتھی سمجھ کر بلانے لگیں گے تو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمائیں گے: "إنك لا تدري ما بدلوا بعدك".(۱) (آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا تبدیلیاں کی ہیں)۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے مرتد ہونے کا علم نہیں ہوگا، لیکن چونکہ آپ انہیں پہلے سے جانتے ہوں گے لہذا آواز دے کر بلائیں گے، پھر جب فرشتے ان کے ارتداد کی خبر دیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دھتکارتے ہوئے کہیں گے: "سحقا سحقا لمن غير بعدي".(۲)

---

(۱) صحيح البخاري: ۷۰۵۰.

(۲) صحيح البخاري: ۶۵۸۴.

2۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب ان کے اعضاے وضو کو چمکتا ہوا دیکھیں گے تو انہیں اپنا ساتھی سمجھ لیں گے، اسی بنا پر انہیں "أصحابي" کہہ کر پکاریں گے، جیسا کہ صحیح مسلم اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: "كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله؟ فقال: «أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله؟» قالوا: بلى يا رسول الله قال: "فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء"۔[۱]

"اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے، کیسے پہچانیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بتاؤ! اگر کالے سیاہ گھوڑوں کے درمیان کسی کے سفید چہرے (اور) سفید پاؤں والے گھوڑے ہوں، تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟" انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "وہ وضو کی بنا پر روشن چہروں، سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے"۔

3۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے انہیں اپنا صحابی کہیں گے، کیوں کہ عرف میں صحبت کا اطلاق ایسے شخص پر کیا جاتا ہے جو کسی کے ساتھ ہو یا بظاہر اس کے عقیدہ پر ہو، گرچہ وہ باطنی طور پر اس کا مخالف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو بھی اپنا ساتھی کہا، جیسا کہ حدیث میں ہے: «دعه، لا يتحدث الناس أن محمدا يقتل أصحابه»۔[۲]

عبد اللہ بن ابی بن سلول کی منافقت کی شہادت خود قرآن نے دی ہے، بلکہ اس کی جنازہ ادا کرنے کی وجہ اللہ رب العالمین نے نبی اکرم ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٨٤﴾[۳] اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنا ساتھی کہا، کیوں کہ لوگ بظاہر یہی سمجھتے تھے کہ وہ آپ کا ساتھی ہے۔ لہذا اس حدیث میں "أصحابي" لفظ کے وارد ہونے کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) صحیح مسلم (۲۱۸/۱)۔

(۲) صحیح البخاري: ۴۹۰۵۔

(۳) التوبۃ: ۸۴۔

دوسرا گروہ: بعض علمانے اس حدیث سے منافقین کی جماعت مراد لیا ہے، کیوں کہ قیامت کے دن یہ لوگ اہل ایمان کے ساتھ ہی اٹھائے جائیں گے، نیز بظاہر مسلمان ہونے اور نماز پڑھنے کے سبب ان کے اعضاے وضو چمک رہے ہوں گے، جس کی بنا پر نبی اکرم ﷺ انہیں مسلمانوں میں سے سمجھ لیں گے پھر جب فرشتے آپ ﷺ کو آگاہ کریں گے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ دین سے پھر گئے تھے اور ان کی موت اس حالت پر نہیں ہوئی تھی جس حالت پر آپ نے چھوڑا تھا تو آپ ان منافقین کو اپنے حوض سے دھتکار دیں گے۔[1]

تیسرا گروہ: اس حدیث سے مراد تیسرا گروہ اہل بدعت کا ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوئی جس نے دین کے نام پر نت نئی چیزوں کو رواج دیا، بالخصوص ایسے ایسے عقائد وجود میں آئے جن پر شریعت اور فہم صحابہ کی مہر نہیں تھی۔

حدیث حوض سے اہل بدعت کے مراد ہونے کے دلائل:

پہلی دلیل: صحیح مسلم اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: "كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله؟ فقال: «أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله؟» قالوا: بلى يا رسول الله قال: "فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء، وأنا فرطهم على الحوض ألا ليذادن رجال عن حوضي كما يذاد البعير الضال أناديهم ألا هلم فيقال: إنهم قد بدلوا بعدك فأقول سحقا سحقا"۔[2]

"اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے، کیسے پہچانیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”بتاؤ! اگر کالے سیاہ گھوڑوں کے درمیان کسی کے سفید چہرے (اور) سفید پاؤں والے گھوڑے ہوں، تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟“ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ”وہ وضو کی بنا پر روشن چہروں، سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے اور میں حوض پر ان کا پیشرو ہوں گا۔ خبردار! کچھ لوگ یقیناً میرے حوض سے پرے ہٹائے جائیں گے، جیسے (کہیں اور کا) بھٹکا ہوا اونٹ (جو گلے کا حصہ

---

(۱) (شرح النووی:۳/۱۳۶، عمدۃ القاری:۲/۲۱۱، المنتقی للباجی:۱/۷۰)۔

(۲) صحیح مسلم (۱/۲۱۸)۔

نہیں ہوتا)پرے ہٹادیا جاتا ہے،میں انہیں آواز دوں گا:دیکھو!ادھر آجاؤ!تو کہا جائے گا:انہوں نے آپ کے بعد (اپنے قول وعمل کو)بدل لیا تھا۔تو میں کہوں گا:دور ہو جاؤ!دور ہو جاؤ!"۔

اس حدیث کا سیاق یہ بتارہا ہے کہ حوض سے دھتکارے جانے والے یہ لوگ وہ ہوں گے جو آپ کی وفات کے بعد آئیں گے اور جنھوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ نے انہیں دیکھا نہ ہوگا۔کیوں کہ "ألا ليذادن" (آگاہ رہو کہ کچھ لوگوں کو حوض سے بھگایا جائے گا)والا جملہ "كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله؟" والے سوال کے جواب میں وارد ہوا ہے،اور سوال ان لوگوں کے تعلق سے تھا جو زمانہ نبوی میں موجود نہیں تھے بلکہ بعد میں آئیں گے،لہذا اس حدیث سے اہل بدعت بھی مراد ہیں۔

دوسری دلیل: صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں دو گروہ کا تذکرہ آیا ہے، اس میں دوسرے گروہ کو نبی اکرم ﷺ نے دو قسم میں تقسیم کیا ہے،ایک جو جہنم میں داخل ہوگا اور دوسرا وہ جو جہنم سے بچا لیا جائے گا۔اس دوسری قسم کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:"فلا أراه يخلص منهم إلا القليل"(مجھے نہیں لگتا کہ ان میں سے سوائے چند ایک کے کوئی جہنم سے محفوظ رہے گا)۔وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ جملے کا اطلاق اہل ارتداد پر کرنا ناممکن ہے کیوں نہ مرتد کافر ہوتا ہے اور کفار میں سے کوئی ایک شخص بھی جہنم سے محفوظ نہیں رہے گا،البتہ یہ اہل بدعت کے وہ لوگ ہوں گے جن کی بدعت کفر اکبر کے درجہ تک نہیں پہنچی ہوگی لہذا ان کی معافی کی گنجائش باقی رہے گی۔

تیسری دلیل: حدیث حوض کے بعض الفاظ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ اس حدیث کا اطلاق اہل بدعت پر بھی ہوتا ہے،چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:"إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك".(آپ کو خبر نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد کون کون سی بدعتیں ایجاد کر لی تھیں)۔

وجہ استدلال: "إحداث" کہتے ہیں دین میں نئی شے ایجاد کرنے کو،جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "كل محدثة بدعة"(ہر نئی شے بدعت ہے)۔(یعنی دین میں کسی بھی نئے کام کی شروعات بدعت ہے)۔حدیث میں وارد "أحدثوا" کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں دین میں بدعات ایجاد کرنے کے سبب حوض سے بھگایا جائے گا۔لہذا حدیث حوض کے اس جملہ سے مراد اہل بدعت کا گروہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث میں وارد دو طرح کے الفاظ **"اصحابي" اور "امتي"** اس پر دال ہیں کہ حوض سے دھتکارے جانے والے لوگ دو قسم پر مشتمل ہوں گے، ایک وہ جو آپ کے زمانے میں تھے اور فتنہ ارتداد کا شکار ہو گئے۔ یہ دیہات میں بسنے والے چند لوگ تھے جنہیں رسوخ فی الایمان حاصل نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے، فرماتے ہیں: «لم يرتد من الصحابة أحد، وإنما ارتد قوم من جفاة العرب، ممن لانصرة له في الدين، وذلك لا يوجب قدحاً في الصحابة المشهورين، ويدل قوله: (أصيحابي) على قلة عددهم».[۱]

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوئے تھے، بلکہ صرف اہل بادیہ میں سے بعض لوگ ارتداد کے شکار ہوئے تھے، ان کا نصرت دین میں کوئی حصہ بھی نہیں تھا، اور یہ معروف صحابہ کے ایمان میں طعن کا موجب نہیں ہے، نیز ہمارے اس قول کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان (أصيحابي) ہے: کیوں کہ یہ حوض سے دھتکارے جانے والوں کے قلیل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔)

مذکورہ تقسیم کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث بھی ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "بينا أنا قائم إذا زمرة، حتى إذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم، فقال: هلم، فقلت: أين؟ قال: إلى النار والله، قلت: وما شأنهم؟ قال: إنهم ارتدوا بعدك على أدبارهم القهقرى. ثم إذا زمرة، حتى إذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم، فقال: هلم، قلت أين؟ قال: إلى النار والله، قلت: ما شأنهم؟ قال: إنهم ارتدوا بعدك على أدبارهم القهقرى، فلا أراه يخلص منهم إلا مثل همل النعم"۔[۲]

(میں سویا ہوا تھا کہ **ایک جماعت میرے سامنے آئی**۔ جب میں نے انہیں پہچان لیا تو ایک آدمی اور ان کے درمیان سے نکلا اور ان سے کہا: ادھر آؤ۔ میں نے کہا: انہیں کدھر جانا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جہنم کی طرف

---

(۱) أعلام الحديث (شرح صحيح البخاري): (۱۸۴۳/۳).

(۲) صحيح البخاري (۶۵۸۷)۔

لے جانا ہے۔ میں نے کہا: ان کا کیا حال ہے؟ یعنی کیا وجہ؟ اس نے کہا: یہ لوگ آپ کے بعد الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے تھے۔ **پھر ایک اور گروہ میرے سامنے آیا۔** جب میں نے انہیں بھی پہچان لیا تو ایک شخص میرے اور ان کے درمیان سے نکلا اور ان سے کہا: ادھر آؤ۔ میں نے پوچھا: انہیں کدھر جانا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جہنم کی طرف۔ میں نے کہا: ان کا کیا حال ہے؟ یعنی کیا وجہ؟ اس نے کہا: یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان گروہوں میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا مگر اکاڈکا لوگ جو چرواہے کے بغیر بے کار اونٹوں کی طرح ہوں گے۔)

حدیث صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حوض سے دھتکارے جانے والوں کی دو قسم ہو گی، پہلی قسم مرتد لوگوں کی جبکہ دوسری قسم ان اہل بدعت وانحراف کی ہو گی جن کی بدعت درجہ کفر تک نہیں پہنچی ہو گی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ جب دونوں گروہ کی بابت ایک طرح کا جملہ استعمال کیا گیا ہے کہ "یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے" تو پھر پہلے زمرہ کو اہل انداد کے ساتھ خاص کرنے اور دوسرے زمرہ سے اہل بدعت مراد لینے کی کیا دلیل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے آخری جملے میں اہل بدعت کی دونوں اقسام کا تذکرہ موجود ہے، ایک وہ جن کی بدعت کفر کے درجے تک پہنچی ہو گی، لہذا وہ مرتد لوگوں کی قسم میں داخل ہوں گے۔ اور دوسرے وہ جن کی بدعت کفر کے درجے میں نہ ہو گی چنانچہ وہ اللہ رب العالمین کے فضل سے نجات پا جائیں گے۔ حدیث کا جملہ **"میں سمجھتا ہوں کہ اس گروہ میں سے سوائے چند ایک کے کوئی بھی نہیں بچے گا"** اس دوسرے زمرہ کے دو قسم پر مشتمل ہونے کی دلیل ہے۔ کیوں کہ شریعت اسلامیہ کا مسلمہ اصول ہے نجات صرف اسی کی ممکن ہے جو اہل ارتداد میں سے نہ ہو اور جس کی بدعت کفریہ نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی حدیث حوض پر گفتگو کرتے ہوئے اس تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: -(فلا أراه يخلص منهم إلا مثل هَمَل النعم)- «يعني من هؤلاء الذين دنوا من الحوض وكادوا يردونه فصدوا عنه ... والمعنى لا يرده منهم إلا القليل».(۱)

"یعنی ان میں سے جو لوگ حوض کے قریب پہنچ جائیں گے اور حوض سے سیرابی حاصل کرنے کے قریب ہی ہوں گے کہ انہیں روک دیا جائے گا"۔۔۔حدیث کا معنی یہ ہے کہ:"جن لوگوں کو حوض سے دھتکار کر بھگایا جائے گا ان میں سے سوائے چند ایک کے باقی لوگ حوض سے سیراب نہیں ہوں گے"۔

نیز صحیح مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس میں صراحت کے ساتھ یہ موجود ہے کہ حوض سے دھتکارے جانے والوں میں بعد میں آنے والے لوگ بھی ہوں گے،حدیث ملاحظہ فرمائیں: "قالوا: كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك؟ يا رسول الله فقال: «أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله؟» قالوا: بلى يا رسول الله قال: "فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء، وأنا فرطهم على الحوض ألا ليذادن رجال عن حوضي كما يذاد البعير الضال أناديهم ألا هلم فيقال: إنهم قد بدلوا بعدك فأقول سحقا سحقا "۔(۲)

جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں اپنے اصحاب اور اخوان کے استقبال کے لئے حوض پر پہلے سے ہی موجود رہوں گا تو (صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے، کیسے پہچانیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”بتاؤ! اگر کالے سیاہ گھوڑوں کے درمیان کسی کے سفید چہرے(اور) سفید پاؤں والے گھوڑے ہوں، تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟“ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ”وہ وضو کی بنا پر روشن چہروں، سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے اور

(۱)فتح الباري ۱۱/۴۷۴-۴۷۵.

(۲)صحیح مسلم (۱/۲۱۸)۔

میں حوض پر ان کا پیشرو ہوں گا۔ خبردار! کچھ لوگ یقیناً میرے حوض سے پرے ہٹائے جائیں گے، جیسے (کہیں اور کا) بھٹکا ہوا اونٹ (جو گلے کا حصہ نہیں ہوتا) پرے ہٹا دیا جاتا ہے، میں انہیں آواز دوں گا: دیکھو! ادھر آجاؤ! تو کہا جائے گا: انہوں نے آپ کے بعد (اپنے قول و عمل کو) بدل لیا تھا۔ تو میں کہوں گا: دور ہو جاؤ! دور ہو جاؤ!)۔

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا تھا جو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آئیں گے اور حیرت کے ساتھ یہ پوچھا کہ آپ انہیں کس طرح پہچانیں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: ان کے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے، جس کے ذریعہ میں انہیں پہچانوں گا۔ یہ حدیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث حوض سے مراد صحابہ کرام نہیں بلکہ دیہاتوں کے مرتد ہو جانے والے بعض افراد کے علاوہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دین میں بدعتیں ایجاد کر کے دین کی تبدیلی کا کام کیا تھا۔

حدیث کی شرح میں علمائے اہل سنت کے اقوال:

اہل بدعت کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں تو وہ ان میں جمع کرنے کے بجائے صرف ان احادیث کو لیتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق ہوں، جبکہ اہل سنت کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی مسئلے میں اگر کئی ایک احادیث وارد ہوئی ہیں تو سب سے پہلے انہیں ایک جگہ جمع کیا جائے پھر ان میں تطبیق پیدا کر کے ایک ایسا مفہوم نکالا جائے جس سے تمام احادیث پر عمل ممکن ہو جائے۔ واضح ہو کہ اگر کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی دوسری صحیح روایت کے معارض ہو گی۔ البتہ اہل البدعہ اپنے عقیدے کے اثبات کے لئے ایک حدیث کو دوسری حدیث کے مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث حوض کے معاملے میں بھی انہوں نے اسی طرح کا معاملہ کیا ہے، لہذا یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ اہل سنت کے علما کے نزدیک اس حدیث کا کیا مفہوم ہے۔ ذیل کے سطور میں میں اہل سنت کے علما کے اقوال درج کرتا ہوں۔

۱۔شریک رحمہ اللہ سے کہا گیا: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَامَ حَمَلْتُمْ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ عَلَى أَهْلِ الرِّدَّةِ.(۱)

"ابوعبداللہ! آپ نے اس حدیث کو کن لوگوں پر محمول کیا ہے؟فرمایا:اہل الردہ پر"۔

۲۔امام محمد بن یوسف فربری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے انہوں نے اپنے استاد قبیصہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:"هُمُ الْمُرْتَدُّونَ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ فَقَاتَلَهُمْ أَبُو بَكْرٍ - رضي الله عنه-".

"اس حدیث سے مراد اہل ارتداد ہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ارتداد کے شکار ہوئے تھے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا"۔(۲)

۳۔علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: وقوله: ("ما أحدثوا بعدك") هو من ارتد بعده من الأعراب.(۳)

حدیث کے الفاظ:"ان لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد کیا نت نئے امور انجام دئے" سے مراد وہ دیہاتی لوگ ہیں جو آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے"۔

۴۔امام کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وهم إمَّا المرتدون وَإِمَّا العصاة.(۴)

"ان سے مراد مرتد یا اہل معاصی ہیں"۔

---

(۱)التمهيد لما في الموطا من المعاني والأسانيد:(۲/۳۰۰)۔

(۲)إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري:(۵/۴۱۸).

(۳)التوضيح لشرح الجامع الصحيح:(۳۰/۱۱۴)۔

(۴)الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري:(۲۳/٦۴).

مزید فرمایا: (سحقًا) أي بعدا وهذا مشعر بأنهم مرتدون عن الدين لأنه يشفع للعصاة ويهتم بأمرهم ولا يقول لهم مثل ذلك. (۱)

(لفظ "سحقا" دوسری کے معنی میں ہے، اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث میں مذکور افراد دین سے مرتد ہوں گے، کیوں کہ آپ ﷺ گناہ گاروں کے لئے سفارش کریں گے، ان معاملے کو اہمیت دیں گے اور انہیں ایسا نہیں کہیں گے)۔

۵۔امام عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قَوْله: (فَلَا أرَاهُ) أَي: فَلَا أَظن أَمرهم أَنه (يخلص مِنْهُم إلاَّ مثل همل النعم) أَي: لَا يخلص مِنْهُم من النَّار إلاَّ قَلِيل، وَهَذَا يشْعر بِأَنَّهُم صنفان: كفار وعصاة". (۲)

(آپ ﷺ کا فرمان کہ: "مجھے نہیں لگتا کہ ان گروہوں میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا مگر اکا دُکا لوگ جو چرواہے کے بغیر بے کار اونٹوں کی طرح ہوں گے"۔ یعنی "مجھے نہیں لگتا کہ ان میں سے سوائے چند ایک کے کوئی جہنم سے نجات پائے گا"، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حوض سے دھتکارے جانے والے دو قسم کے لوگ ہوں گے، کفار اور اہل معاصی۔

6۔امام قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (فيقال: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك) من الردة عن الإسلام أو المعاصي. (۳)

---

(۱) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري: (۲۳/۶۷).

(۲) عمدة القاري شرح صحيح البخاري: (۲۳/۱۴۲).

(۳) شرح القسطلاني = إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري: (۹/۳۳۶).

(آپ ﷺ سے کہا جائے گا کہ:"آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کی وفات کے بعد کیا نئی چیزیں شروع کردی تھیں"،اس مراد اہل ارتداد اور اہل معاصی ہیں۔

مزید فرمایا: (لمن غير بعدي) أي دينه لأنه لا يقول في العصاة بغير الكفر سحقًا بل يشفع لهم ويهتم بأمرهم كما لا يخفى.(١)

(تبدیلی سے مراد دین کی تبدیلی ہے،کیوں کہ آپ ﷺ کفر کے کم درجہ گناہ گار کو"دوری ہو دوری ہو" نہیں کہہ سکتے،بلکہ ان کے لئے سفارش کریں گے اور ان معاملے کو اہمیت دیں گے،جیسا کہ کسی پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔)

7۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هَذَا مِمَّا اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْمُرَادِ بِهِ عَلَى أَقْوَالٍ أَحدُهَا أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُرْتَدُّونَ فَيَجُوزُ أَنْ يُحْشَرُوا بِالْغُرَّةِ وَالتَّحْجِيلِ فَيُنَادِيهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسِّيمَا الَّتِي عَلَيْهِمْ فَيُقَالُ لَيْسَ هَؤُلَاءِ مِمَّا وُعِدْتَ بِهِمْ إِنَّ هَؤُلَاءِ بَدَّلُوا بَعْدَكَ أَيْ لَمْ يَمُوتُوا عَلَى مَا ظَهَرَ مِنْ إِسْلَامِهِمْ وَالثَّانِي أَنَّ الْمُرَادَ مَنْ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ارْتَدَّ بَعْدَهُ فَيُنَادِيهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمْ سِيمَا الْوُضُوءِ لِمَا كَانَ يَعْرِفُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ مِنْ إِسْلَامِهِمْ فَيُقَالُ: ارْتَدُّوا بَعْدَكَ وَالثَّالِثُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ أَصْحَابُ الْمَعَاصِي وَالْكَبَائِرِ الَّذِينَ مَاتُوا عَلَى التَّوْحِيدِ وَأَصْحَابِ الْبِدَعِ الَّذِينَ لَمْ يَخْرُجُوا بِبِدْعَتِهِمْ عَنِ الْإِسْلَامِ وعلى هذا القول لا يقطع لِهَؤُلَاءِ الَّذِينَ يُذَادُونَ بِالنَّارِ بَلْ يَجُوزُ أَنْ يزادوا عُقُوبَةً لَهُمْ ثُمَّ يَرْحَمُهُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَذَابٍ". (٢)

---

(١)شرح القسطلاني=إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري:(٩/٣٤٠).

(٢)شرح النووي على مسلم:(٣/١٣٦-١٣٧).

(علما کا اس بابت اختلاف ہے کہ اس حدیث سے کون لوگ مراد ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد منافقین اور اہل ارتداد ہیں، اور اس قسم کے لوگوں کا اہل ایمان کی خاص علامت چمک اور سفیدی کے ساتھ اٹھایا جانا ممکن ہے، لہذا نبی اکرم ﷺ ان کی اسی علامت کو دیکھ کر انہیں آواز دیں گے، مگر انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے، انہوں آپ کے بعد اپنا دین بدل ڈالا، یعنی ان موت اسلام پر نہیں ہوئی جو انہوں بظاہر قبول کیا تھا۔

دوسرا قول: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں میں سے تھے مگر آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ انہیں پکاریں گے، البتہ ان کے اوپر اہل ایمان کی وہ خاص علامت ظاہر نہیں ہوں گی، مگر چونکہ آپ اپنی زندگی میں ان کے اسلام کے بارے میں جانتے تھے لہذا آپ انہیں پہچان لیں گے کہ یہ میرے اصحاب میں سے تھے۔ مگر آپ سے یہ کہا جائے گا کہ: یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد دین سے پھر گئے تھے۔

تیسرا قول: اس سے مراد اہل معاصی اور مرتکبین کبیرہ میں سے وہ افراد ہیں جن کی وفات توحید پر ہوئی ہے، نیز وہ اہل بدعت بھی اس میں داخل ہیں جن کی بدعت انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتی۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک حوض سے دھتکارے جانے والے قطعی طور پر جہنمی نہیں ہیں بلکہ بطور سزا انہیں حوض سے بھگایا جائے گا پھر اللہ کی رحمت ہوگی تو انہیں عذاب دیئے بنا اللہ رب العالمین جنت میں داخل کریں گے)۔

8۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كل من أحدث في الدين ما لا يرضاه الله ولم يأذن به الله فهو من المطرودين عن الحوض المبعدين عنه والله أعلم وأشدهم طردا من خالف جماعة المسلمين وفارق سبيلهم مثل الخوارج على اختلاف فرقها والروافض على تباين ضلالها والمعتزلة على أصناف أهوائها فهؤلاء كلهم يبدلون وكذلك الظلمة المسرفون في الجور والظلم وتطميس الحق وقتل أهله وإذلالهم

والمعلنون بالكبائر المستخفون بالمعاصي وجميع أهل الزيغ والأهواء والبدع كل هؤلاء يخاف عليهم أن يكونوا عنوا بهذا الخبر ولا يخلد في النار إلا كافر جاحد ليس في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان." (۱)

(جس کسی نے دین اسلام میں بدعتیں ایجاد کیں جسے اللہ رب العالمین نہ پسند کرتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے، تو وہ حوض سے دھتکار کر بھگایا جائے گا اور اس سے دور کر دیا جائے گا، ان میں سب سے زیادہ سختی سے وہ لوگ دھتکارے جائیں گے جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی اور ان کے طریق سے اختلاف کیا، جیسے خوارج کے تمام فرقے، روافض کے تمام گمراہ فرقے، اور معتزلہ کے تمام بدعتی فرقے۔ یہ سبھی دین میں تبدیلی کرنے والے ہیں۔ نیز قوی امکان ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہوں جنہوں نے بے انتہا ظلم کیا۔ اسی طرح حق کو مسخ کرنے اور اسے مٹانے کی کوشش کرنے والے، اہل حق کو قتل کرنے والے اور ان کی تذلیل کرنے والے، گناہوں کو معمولی سمجھتے ہوئے علانیہ گناہ کبیرہ انجام دینے والے اور تمام اہل اہوا واہل البدع بھی اس حدیث سے مراد ہو سکتے ہیں، البتہ دائمی جہنمی صرف وہ ہوگا جو کافر اور منکر ہو، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہو)۔

9۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قال علماؤنا –رحمة الله عليهم أجمعين– فكل من ارتد عن دين الله، أو أحدث فيه ما لا يرضاه، ولم يأذن به الله، فهو من المطرودين عن الحوض المبعدين عنه، وأشدهم طرداً من خالف جماعة المسلمين وفارق سبيلهم، كالخوارج على اختلاف فرقها، والروافض على تباين ضلالها، والمعتزلة على أصناف أهوائها، فهؤلاء كلهم مبدلون". (۲)

(ہمارے علما کہتے ہیں؛"ہر وہ شخص جو دین اسلام سے مرتد ہو گیا یا اس میں بدعتیں ایجاد کیں جسے اللہ رب العالمین نہ پسند کرتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے، تو وہ حوض سے دھتکار کر بھگایا جائے گا اور اس سے دور کر

---

(۱) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: (۲۰/۲۶۲-۲۶۳).

(۲) التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة ۱/۳۴۸.

دیا جائے گا،ان میں سب سے زیادہ سختی سے وہ لوگ دھتکارے جائیں گے جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی اوران کے طریق سے اختلاف کیا، جیسے خوارج کے تمام فرقے،روافض کے تمام گمراہ فرقے،اور معتزلہ کے تمام بدعتی فرقے۔یہ سبھی دین میں تبدیلی کرنے والے ہیں)۔

۱۰۔امام دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إنا لا نسلم أن المراد بالأصحاب ماهو المعلوم في عرفنا، بل المراد بهم مطلق المؤمنين به – صلى الله عليه وسلم – المتبعين له، وهذا كما يقال لمقلدي أبي حنيفة أصحاب أبي حنيفة، ولمقلدي الشافعي أصحاب الشافعي، وهكذا وإن لم يكن هناك رؤية واجتماع، وكذا يقول الرجل للماضين الموافقين له في المذهب أصحابنا، مع أنه بينه وبينهم عدة من السنين، ومعرفته – صلى الله عليه وسلم – لهم مع عدم رؤيتهم في الدنيا بسبب أمارات تلوح عليهم ...

إلى أن قال: ولو سلمنا أن المراد بهم ما هو المعلوم في العرف، فهم الذين ارتدوا من الأعراب على عهد الصديق، وقوله: أصحابي أصحابي، لظن أنهم لم يرتدوا كما يُؤْذِن به ما قيل في جوابه: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك.

فإن قلت: إن (رجالاً) في الحديث كما يحتمل أن يراد منه من ذكرت من مرتدي الأعراب، يحتمل أن يراد ما زعمته الشيعة أجيب: إن ما ورد في حقهم من الآيات والآحاديث وأقوال الأئمة مانع من إرادة ما زعمته الشيعة».[۱]

(ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ صحابہ سے مراد اصحاب رسول ہیں، بلکہ اس سے مراد عام مومن ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنے والوں کو "اصحاب ابو حنیفہ" کہا جاتا ہے،امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرنے والوں کو "اصحاب شافعی" کہا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ انہوں اپنے ائمہ کو دیکھا ہو یا نہیں،ان سے ملاقات کی ہو یا نہیں،اسی طرح گزرے ہوئے لوگوں کے آرا کی موافقت کرنے والوں کو "أصحابنا" "ہمارے اصحاب" کہا جاتا ہے،حالانکہ دونوں کے درمیان صدیوں کا فرق ہوتا ہے۔اور جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا انہیں دیکھے بغیر پہچاننے کا معاملہ ہے تو یہ ان کی ظاہری چمکدار علامت کے سبب ہو گی۔

---

(۱)مختصر التحفۃ الِاثنی عشریۃ:ص۲۷۲-۲۷۳۔

مزید فرمایا: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ "صحابي" سے مراد وہی خاص اصطلاح ہے تو ایسی صورت میں حدیث کا مصداق وہ لوگ ٹھہریں گے جو عہد صدیق میں ارتداد کے شکار ہوئے تھے۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا انہیں "أصحابي أصحابي" "میرے ساتھی میرے ساتھی" کہہ کر پکارنے کا معاملہ ہے تو یہ اس وجہ سے کہ آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ لوگ مرتد نہیں ہوئے، جیسا کہ اس کی طرف فرشتوں کا یہ جواب اشارہ کر رہا ہے: "إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك" "آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد کیا نت نئے امور انجام دئے"۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ: حدیث میں وارد لفظ "رجالاً" سے جس طرح "اہل بادیہ" کو مقصود لیا جا سکتا ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا، اسی طرح شیعوں نے جو معنی سمجھا ہے اس کا بھی احتمال ہے۔

تو اسے یہ کہا جائے گا کہ: اصحاب رسول اللہ کے فضائل ومناقب میں وارد آیات واحادیث شیعوں کے ذریعہ مراد لئے گئے معنی کو باطل ٹھہراتے ہیں۔)

خلاصہ کلام یہ کہ حوض سے دھتکارے جانے والوں میں سب سے پہلے وہ لوگ شامل ہیں جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے، اور وہ اہل بادیہ میں سے چند لوگ تھے جن کی تعداد دیگر کبار صحابہ کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ نیز اہل بدعت اور منحرفین بھی حوض سے محروم کئے جانے والوں میں شامل ہوں گے۔

حدیث حوض کی روشنی میں شیعہ کے انحرافات کا اثبات:

گزشتہ صفحات میں حدیث کے حقیقی مفہوم کی تعیین اوراس تعلق سے معتبر علمائے کرام اور محدثین عظام کے اقوال آپ کے سامنے پیش کیا گیا جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث سے مراد کون لوگ ہیں اور ساتھ ہی غلط مفہوم اخذ کرنے والوں کی تردید بھی ہوئی۔ان توضیحات کے بعد مذکورہ حدیث سے متعلق شیعوں کا انحراف مزید چند ایک نکات کی شکل میں پیش کرتا ہوں۔

۱۔حدیث میں وارد لفظ ''أصيحابي'' (چند ایک ساتھی)دلالت کرتا ہے کہ یہ بہت تھوڑے لوگ ہوں گے، نیز آپ ﷺ نے ان کی تعیین بھی فرمائی ہے کہ یہ کون ہوں گے، فرمایا کہ فرشتے آپ کو خبر دیتے ہوئے کہیں گے:(آپ کو علم نہیں ہے، یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے)۔

لیکن شیعوں کی صحابہ دشمنی دیکھیں کہ انہوں نے حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے سوائے تین صحابہ کے باقی تمام کو اس حدیث کے ضمن میں داخل کر دیا۔

غور فرمائیں: کس طرح ان روافض نے اپنے فاسد عقیدے کی ترویج کے لئے حدیث میں بیان کی گئی قلیل تعداد کو کثیر سے بدل دیا۔یہ دین میں تبدیلی کرنا ہے۔

۲۔حدیث حوض کو متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے، مگر کسی نے بھی اس سے حدیث سے تکفیر صحابہ مراد نہیں لیا، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے دوسرے افراد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں ان کے مشیر خاص بنے رہے، ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتے رہے مگر کبھی بھی اس حدیث سے کسی صحابی کی تکفیر کی دلیل نہیں لی۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث سے تکفیر صحابہ مراد لینا صحابہ کرام کے اجماعی فہم کے مخالف ہے۔

۳۔یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس جماعت کی تعریف اللہ رب العالمین نے تورات اور انجیل میں کی ہو، جن کے لئے قرآن میں جابجا ""رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ "کی سند توثیق و تعریف نازل کی ہو، جنہیں اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا ہو، جنہیں نبی اکرم ﷺ جنت کی بشارت سنائی ہو، اس جماعت کی اکثریت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو جائے؟ سبحان الله! هذا بهتان عظيم. اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ-نعوذ باللہ-اللہ رب العالمین کو یہ علم نہیں تھا کہ جن کی تعریف وہ تورات، انجیل اور قرآن میں کر رہے ہیں وہ نبی اکرم

ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو جائیں گے۔ یہ کفر عظیم ہے۔اللہ ہمیں اس قسم کے باطل اعتقادات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

٤۔ان تمام توضیحات کے باوجود بھی اگر روافض اس حدیث تکفیر صحابہ کی دلیل لیتے ہیں تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم لوگوں نے کس دلیل کی بناپر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر دو صحابہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ وہ یقیناً کہیں گے کہ ان کی فضیلت کے تعلق سے وارد احادیث کے سبب انہیں اس عمومی تکفیر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ پھر ہمارا جواب ہوگا کہ اس قاعدے کی بناپر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کی فضیلت میں وارد آیات و احادیث انہیں بھی اس عمومی حکم سے مستثنیٰ رکھیں گی۔

٥۔حدیث کے بعض الفاظ میں "إنهم مني" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جس کا سیدھا سا معنی ہے کہ وہ مجھ سے ہیں۔

روافض کے طرز استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے مراد (نعوذ باللہ) آل بیت ہوں، کیوں کہ انہوں نے "أصحابي" کے لفظ سے صحابہ کرام کی جماعت کو مراد لیا ہے۔ لیکن ہم اہل السنہ اس سے آل بیت کو مراد نہیں لیتے۔ لہذا جس طرح "إنهم مني" کے الفاظ میں آل بیت داخل نہیں ہو سکتے اسی طرح "أصحابي" کے لفظ سے صحابہ مراد نہیں لئے جا سکتے۔

٦۔آخری بات یہ کہ حدیث کا آخری جملہ خود شیعہ حضرات کے خلاف دلیل ہے، کیوں کہ اس کے مطابق حوض سے دھتکارے جانے والوں میں اہل بدعت بھی شامل ہوں گے[1]۔اور شیعہ مذہب کی بنیاد ہی بدعی عقائد رکھی گئی ہے، چنانچہ ان کے باطل اعتقادات میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو تحریف شدہ مانتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کرتے ہیں، جب کہ اللہ رب العالمین نے قرآن میں ان کی برات نازل فرمانے کے بعد تنبیہ کی ہے کہ اگر کسی نے آئندہ اس قسم کی باتیں کیں تو وہ مومن نہیں ہے، نیز بروز قیامت دیدار الٰہی کا بھی انکار کرتے ہیں جس کے اثبات پر خود قرآن شاہد ہے، ان کے علاوہ بھی دوسری بدعات ان کے مذہب کا بنیادی حصہ ہیں۔

---

(١) اس سے مراد آپ ﷺ کا فرمان: "إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك۔ صحیح البخاري"۔(٤٦٢٥)۔(فرشتے کہیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں آپ کے بعد کون کون سی بدعتیں ایجاد لی تھیں)۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث حوض سے تکفیر صحابہ کی دلیل لینا عقل و نقل دونوں اعتبار سے غلط ہے، نیز یہ اجماع صحابہ کے مخالف امر بھی ہے۔

اللہ رب العالمین ہم تمام لوگوں کو منہج سلف کی پیروی کرنے والا بنائے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔آمین۔

A PEN WHICH HAS BEEN RAISED TO ASSIST, DEFEND THE PEOPLE OF TRUTH AND REFUTE FALSEHOOD AND ITS PROPONENTS IS THE BEST KIND.

(Imam Ibn Qayyim Rahimahullah: Al-Tibyan Fi Aemanil Qur'aan, Pg: 310)

Issue 11

Monthly

Manhaj E-Salaf MAGAZINE

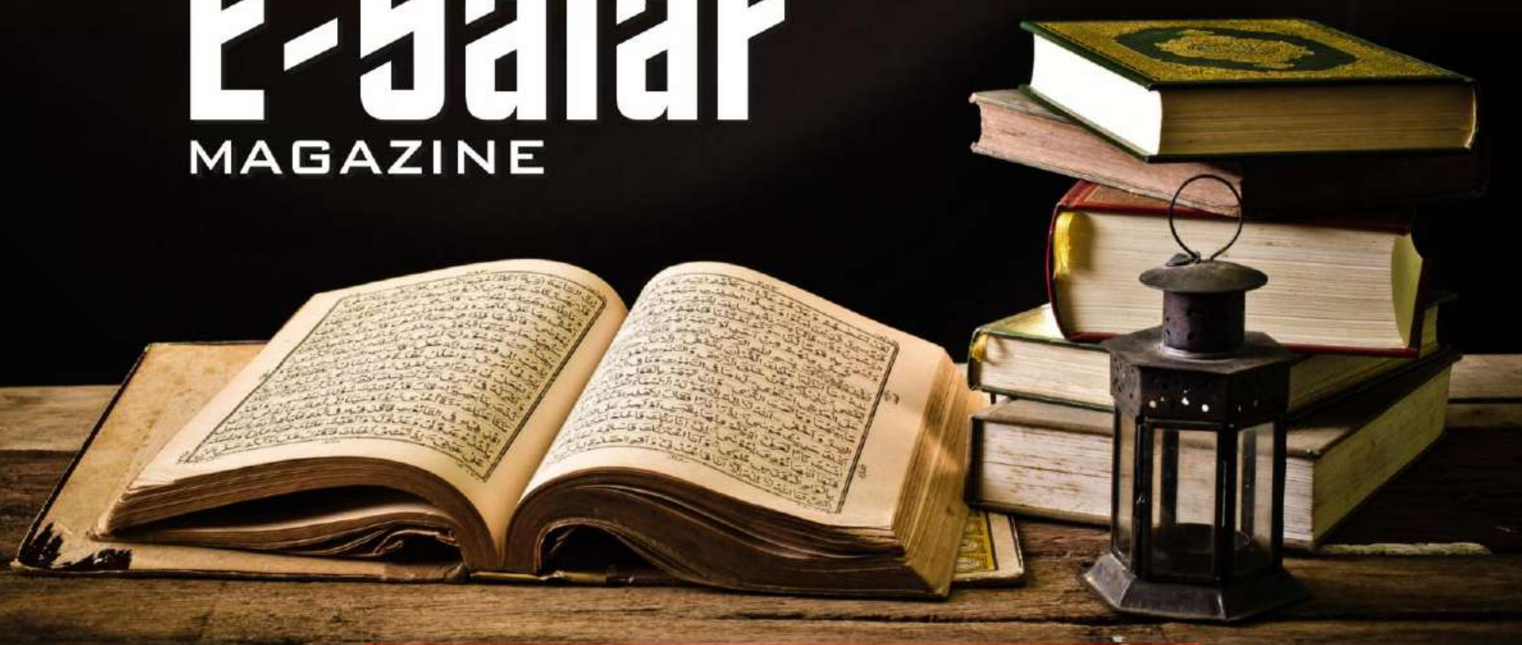

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَا
لُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي: 2641)

NARRATED 'ABDULLAH BIN 'AMR: THAT THE MESSENGER OF ALLAH (ﷺ) SAID: "WHAT BEFELL THE CHILDREN OF ISRA'IL WILL BEFALL MY UMMAH, STEP BY STEP, SUCH THAT IF THERE WAS ONE WHO HAD INTERCOURSE WITH HIS MOTHER IN THE OPEN, THEN THERE WOULD BE SOMEONE FROM MY UMMAH WHO WOULD DO THAT. INDEED THE CHILDREN OF ISRA'IL SPLIT INTO SEVENTY-TWO SECTS, AND MY UMMAH WILL SPLIT INTO SEVENTY-THREE SECTS. ALL OF THEM ARE IN THE FIRE EXCEPT ONE SECT." HE SAID: "AND WHICH IS IT O MESSENGER OF ALLAH?" HE SAID: "WHAT I AM UPON AND MY COMPANIONS."